کربلا کی شیر دِل خاتون

سیرت • خطبات • ثمرات

(تمغہ حسنِ کمال و تمغہ صدارت)

کربلا کی شیر دِل خاتون

# حضرت زینب بنتِ علی رضی اللہ عنہما

## سیرت، خطبات، ثمرات


ڈاکٹر منصور القادری

(تمغۂ حُسنِ کمال و تمغۂ صدارت)


زاویہ پبلشرز

C-8 داتا دربار مارکیٹ۔ لاہور

voice: 042-37300642 - 042-37112954

Email:zaviapublishers@gmail.com

Website: www.zaviapublishers.com

2017ء

بار اول........ 600

ہدیہ........ 450

ناشر........ نجابت علی تارڑ

**{لیگل ایڈوائزرز}**

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

**{ملنے کے پتے}**

زاویہ پبلشرز

شوروم

ظہور ہوٹل دکان نمبر 2
دربار مارکیٹ۔ لاہور
voice: 042-37300642 - 042-37112954
Email:zaviapublishers@gmail.com
Website: www.zaviapublishers.com

| | |
|---|---|
| ضیاء القرآن پبلی کیشنز14انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی | 021-32212011 |
| صبح نور پبلی کیشنز غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور | 0321-4771504 |
| مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، کراچی | 021-34926110 |
| مکتبہ برکات المدینہ، کراچی | 021-34219324 |
| مکتبہ دار القرآن، النساء روڈ، چشتیاں | 0300-7548819 |
| احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5558320 |
| اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی | 051-5536111 |
| نورانی ورانٹی ہاؤس، بلاک نمبر 4، ڈیرہ غازی خان | 0321-7387299 |
| مکتبہ بابا فرید چوک چٹی قبر پاکپتن شریف | 0301-7241723 |
| مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ | 0321-7083119 |
| مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد | 041-2631204 |
| مکتبہ رحیمیہ اردو بازار کراچی | 021-32744994 |
| مکتبہ حسان اینڈ پرفیومرز، پرانی سبزی منڈی کراچی | 0331-2476512 |
| رضا بک شاپ، میلاد فوارہ چوک، گجرات | 0300-6203667 |
| مکتبہ فیضان زم زم آفندی ٹاؤن 'فیضان مدینہ حیدر آباد | 0313-4812626 |
| مکتہ یا سخی سلطان چھوٹی گھٹی حیدر آباد | 0313-3585615 |

# انتساب

سانحہ کربلا کے پہلے شہید
مسلم بن عوسجہ کے نام
جن کے خون سے زمین کربلا گلزار ہوئی

# اوراقِ رہنما

## حصہ اول

حصہ دوم

حصہ سوم

# حرف آغاز

سلام ہو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی غلامی کے طوق سے اللہ رب العزت نے ہماری گردنوں کو زینت بخشی، اور ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، اور ہمیں ان کے غلاموں میں شمار کیا۔

ہماری خوش قسمتی کی انتہا نہیں کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، اس پر ہم اللہ رب العزت کا جس قدر شکر ادا کریں وہ کم ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار ہمارے سروں کا تاج ہیں، ہماری محبت، ادب و احترام ان کے لیے وقف ہے، جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار سے محبت نہیں کرتے، ہمارا ایمان مکمل نہیں، اللہ رب العزت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرماتا رہے، اور ہمیں ان کے بھی غلاموں میں شمار رکھے۔

زیر مطالعہ کتاب حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت و احترام اور ادب کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو ایک ہستی کا نام نہیں بلکہ واقعات کربلا کی ایک مربوط و مستحکم تحریک اور تاریخ کا نام ہے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے واقعات کربلا کو عوام الناس کے شعور میں بیدار کیا، ان کے اذہان وقلوب میں انہیں ہمیشہ کے لیے زندہ و تابندہ کر دیا، اور یوں ہمیں واقعاتِ کربلا سے کما حقہ آگاہی حاصل ہوئی، ورنہ واقعات کربلا کے اصل محرکات ہمارے فہم و ادراک اور شعور سے پرے پردہ اخفاء میں رہتے، اور ہم اصل حالات جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے نہ صرف واقعات کربلا کی تاریخ مرتب کی بلکہ اس وقت کے خوابیدہ عوام میں ان کا صحیح فہم و ادراک پیدا کیا، ان کے اذہان و قلوب کو جھنجھوڑا، انہیں حقائق سے آگاہ کیا، اور انہیں بتایا کہ اصل واقعہ کیا تھا، یوں انہوں نے لوگوں کے دلوں میں ایک انقلاب برپا کر دیا، جس سے ایک نئی تحریک نے جنم لیا، جس نے یزید کے ایوان حکومت کے در و دیوار کو لرزہ کر رکھ دیا۔

یزید جو اپنے وقت کا مطلق العنان خلیفہ تھا، جس نے ظلم و جبر سے حق کو دبانے کی کوشش کی اور حق کو اپنے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی کوشش کی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی پر اثر زندگی کے واقعات کو آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، دیکھئے کہ کربلا کی اس شیر دل خاتون نے کس طرح ایوانِ حکومت کو ہلا ڈالا، اور اپنے وقت کے قوی دشمنوں اور جابروں کے سامنے کس طرح کلمۃ الحق کہا، کسی خوف و خطر اور ڈر کے بغیر ان کے ایوانوں میں کھڑے ہو کر انہیں للکارا، انہیں ان کے ظلم و جور پر سرزنش کی، عوام الناس کے دل واقعات کربلا کی طرف مبذول کرائے۔

زیر مطالعہ کتاب میں ان کے محترم و مقدس اوراقِ زیست کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ ہستی جس کی رگوں میں شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لہو کی گرمی تھی، جس کی آنکھوں میں رسالت کا نور تھا، کانوں میں حق کی صدا اور زبان پر اللہ رب العزت کا ذکر پاک تھا، اس پاک و طیب ہستی کی حیات طیبہ کی تصویر کشی ممکن نہ سہی، بلکہ یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات بھی نہیں ہے۔

معرکہ کربلا حق و باطل کی ایک جنگ تھی، جس میں ایک طرف نواسۂ رسول صرف اپنے 72 جاں نثاروں کے ساتھ شریک تھے، اور دوسری طرف ہزاروں کی فوج مسلح تھی، جس نے ناحق نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نہ صرف خون بہایا، بلکہ رسول زادیوں کو اسیر کر کے رسوا کرنے کی کوشش کی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ وہ عظیم خاتون ہیں جو عالم بشریت کی طویل تاریخ میں انمٹ نقوش ثبت کر گئی ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی ہی مساعی جمیلہ سے واقعات کربلا عوام الناس کے اذہان و قلوب میں نہ صرف زندہ رہے، بلکہ اسے ہمیشہ کے لیے دوام حاصل ہوا، آپ رضی اللہ عنہا بغیر کسی شک و شبہ کی واقعہ کربلا کی شخصیت دوم ہیں، واقعہ کربلا تاریخ عالم میں ایک عظیم المیہ تسلیم کیا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہا کا صبر و تحمل، علائے اخلاق، اور آپ رضی اللہ عنہا کی عفت و تقویٰ بے مثال تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا نے شہدائے کربلا اور خونِ حسین رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و اشاعت کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ واقعہ کربلا کی امانتدار ہیں، اور آپ رضی اللہ عنہا نے اس امانت کا حق بخوبی ادا کیا، اور یہ امانت دیانتداروں تک پہنچا کر دم لیا، آپ رضی اللہ عنہا شجاعت و پامردی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں، آپ رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی کا حصہ تھیں، آپ رضی اللہ عنہا حادثہ کربلا کی امانتدار اور مقصدیت کی جاں نثار ہیں، آپ رضی اللہ عنہا نے عوام کے خوابیدہ اذہان و قلوب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

بہر حال واقعہ کربلا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد پیدا ہونے والے بعض واقعات کا فطری و منطقی نتیجہ ہے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے بلند و ارفع مقام پر روشنی ڈالنے کے لیے ان کے حالات کا جائزہ لینا ہو گا، جو اس خوں ریزی اور قتل عام کا باعث ہے۔

واقعہ کربلا میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ وہ خانوادۂ رسول کی عظیم المرتبت ہستی ہیں، ان کی پوری حیات مقدسہ میں کہیں رائی برابر بھی لغزش نظر نہیں آتی۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھیں کہ اتنی عظیم ہستی کی حیات مبارکہ پر ناواقفیت کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں، اسی طرح کربلا کے المیہ کے بارے میں بھی جو اپنے

مقام پر احیائے دین کا ذمہ دار ترین واقعہ ہے، بہت زیادہ اختلافی واقعات موجود ہیں، جن میں صحیح و غلط معلوم کرنے کے لیے مستند تاریخ کے اوارق کھنگالنا پڑتے ہیں، تب کہیں جا کر تاریخ کے دبیز پردوں تلے دبے حقائق سامنے آتے ہیں۔

مزید یہ کہ مورخین اپنی تمام تر کاوشوں کے باوجود کسی ایک قاتل حسین (رضی اللہ عنہ) کا تعین نہیں کر سکتے، جو یزید کی فوج میں سرداروں کے عہدوں پر فائز تھے، پھر اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بے سروسامان قافلہ کب کربلا سے روانہ ہو کر کوفہ پہنچا، کوفہ میں کب تک ان کا قیام رہا، کب اسیران کربلا کو دمشق بھیجا گیا، وہ دمشق میں کب تک مقیم رہے، کتنے دن تک وہ دمشق میں قیام پذیر رہے، اور انہیں رہائی کب نصیب ہوئی۔

ان سب واقعات کی کڑیاں تاریخ کے منتشر اوراق میں ملتی ہیں، جنہیں یکجا کرنے کے لیے انتہائی عرق ریزی کی ضرورت ہے، ان تمام کڑیوں کو ملا کر ایک مبہم سی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے، جو بہر حال تشنہ طلب رہے گی، ہم نے واقعات کی ان بکھری ہوئی کڑیوں کو یکجا کر کے ایک مربوط تاریخ مرتب کرنے کی کوشش وسعی کی ہے، اب یہ قارئین ہی بتائیں گے کہ ہم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو پائے ہیں، ہم نے تو اپنا فرض ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اللہ رب العزت ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی حق کے سامنے استقامت عطا فرمائے، اور ہمیں بھی حق کے لیے اپنا آپ قربان کرنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

امید واثق ہے کہ آپ کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی اور آپ کو واقعہ کربلا سے کما حقہ آگاہی حاصل ہو گی۔

والسلام
ڈاکٹر منصور القادری

# حصہ اول

## سیرت کے درخشاں پہلو

# بنتِ بتول رضی اللہ عنہا کے جدِ امجد

اسلام نے بنیادی طور پر طہارت اور خاندانی شرافت کو بے حد اہمیت دی ہے، اللہ رب العزت نے گم کردہ راہ انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کیے، اللہ رب العزت نے اپنے اولین نبی حضرت آدم علیہ السلام کو بن ماں باپ کے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا، ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے، وہ سب کے سب پاک و طیب نسب سے پیدا ہوئے، ان کے نسب میں کہیں شرک کی آمیزش نہ تھی۔

اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، یہ وہ پاک و طیب، مبارک اور افضل ہستی ہیں کہ جن کے لیے اللہ رب العزت نے اس کائنات کو تخلیق فرمایا، اور اسے زینت بخشی۔

اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے:

''اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور تخلیق نہ کرنا ہوتا تو کبھی اس کائنات کو نہ بناتا۔''

اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا مفہوم ہے کہ اس کائنات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تخلیق کیا گیا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خاطر ظہور و نور بخشا، اس کی تزئین و آرائش آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خاطر کی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ہر عیب سے پاک ہے، ایسے جیسے ہر نبی کا نسب پاک و

طیب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، جیسے اللہ رب العزت رب اللعالمین ہیں، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجہ وجودِ کائنات ہیں، اس کائنات کی رونق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم قدم سے ہے، یہ حسن ورعنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وجہ سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع محشر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساقی کوثر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات کا حسن ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت، محبت اور شفقت کا بحر بیکراں ہیں، عفو وکرم ہیں، کریم ہیں، شفیق ہیں، اللہ رب العزت کے محبوب ہیں، تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جمیع خوبیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں پنہاں ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد عالیشان ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

''بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔'' (سورہ الاحزاب:40)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب حسبِ ذیل ہے۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب (عبدالمطلب کا اصل نام شیبہ ہے) بن ہاشم (ہاشم کا اصل نام عمرو ہے) بن عبد مناف (عبد مناف کا اصل نام المغیر ہ ہے) بن قصی (قصی کا اصل نام زید ہے) بن کلاب بن مرہ بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ، بن خزیمہ بن مدرکہ (مدرکہ کا اصل نام عامر ہے) بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان بن اد بن مقدم بن ناحور بن یترح بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بن تارح بن ناحور

بن ساروغ بن رعو بن فالغ بن عیبر بن مشالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) بن لمک بن متوشلخ بن اخنوع (یہی ادریس علیہ السلام ہیں) بن یرد بن مہلیل بن قینن بن یانش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔"

## انتخابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

❁ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"میں کئی صدیوں بعد بنو آدم کے بہترین قرون میں بھیجا گیا ہوں، حتیٰ کہ وہ قرن آ گیا جس میں میں پیدا ہوا ہوں۔" (صحیح بخاری)

❁ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم اور ان سے مجھ کو منتخب کیا ہے۔" (صحیح بخاری)

❁ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین مخلوق اور فریقین (عرب وعجم) میں سے بہترین فریق میں پیدا کیا، پھر قبائل کا انتخاب کیا، تو مجھے بہترین قبیلے میں کیا، اس کے بعد خاندانوں کا انتخاب کیا، تو مجھے بہترین خاندان میں بھیجا، اس لیے میں بلحاظ نفس اور بلحاظِ خاندان سب انسانوں سے بہتر ہوں۔"

❁ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو چنا تو ان میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا، پھر بنو آدم سے عرب کو، اور عرب سے مجھے پسند فرمایا، پس میں ہمیشہ سے پسندیدہ تر پسندیدہ لوگوں سے پیدا ہوا ہوں، خبردار! جس نے عربوں سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور

جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بنا پر ان سے بغض رکھا۔'' (طبرانی)

## ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ رب العزت کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور رسولوں کو انتہائی شریف و اعلیٰ خاندان میں پیدا فرماتا ہے، تاکہ وہ ان کی نبوت و رسالت پر ایک گواہی بن جائے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش کے خاندانوں میں سب سے ممتاز تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اسماعیل علیہ السلام میں پیدا کیا، پھر ان میں بنو کنانہ میں چنا، ان میں سے منتخب ترین قبیلہ قریش میں بھیجا، پھر بنو مناف میں، اور پھر ان کے بہترین خاندان بنو ہاشم میں پیدا کیا اور بنو ہاشم میں مجھ کو منتخب کیا۔''

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا نام حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) ہے، اور آپ رضی اللہ عنہ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے عفیف تھے، ان کے والد ان سے بڑی محبت کرتے تھے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے وفات پا گئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، دادا عبدالمطلب اور پردادا ہاشم تھے، ہاشم بن عبد مناف کے دوسرے فرزند تھے، اور عبد مناف کے والد قصی بن کلاب شہر مکہ کے اصل بانی اور قبیلہ قریش کے سب سے بڑے مورث تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ (رضی اللہ عنہا) بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اصل خانوادہ بنو عبد مناف تھا، جس میں چار بڑے گھرانے تھے۔ ① بنو عبد شمس ② بنو ہاشم ③ بنو مطلب ④ بنو نوفل

حالات و واقعات نے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ایک دوسرے کے ساتھ اور بنو شمس اور بنو نوفل کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب کر دیا، یہ اندرونی تعلق تھا ورنہ ان چاروں خاندانوں میں دوستی، تعاون، شادی بیاہ کے تعلقات اور تجارتی روابط پوری طرح موجود تھے، اور دیگر خاندانوں کے بالمقابل یہ چاروں خاندان صرف ایک متحدہ خاندان بنو عبد مناف بن کر رہتے تھے۔

## والدِ محترم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس برس قبل پیدا ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا تھا، ابو طالب نہایت کثیر العیال تھے، معاشی تنگی نے نہایت پریشان کر رکھا تھا، قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمت اللعالمین ﷺ نے اپنے چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ہمیں اس مصیبت میں ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت اپنے ذمہ لی، اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ انتخاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے شفیق مربی حضرت محمد ﷺ کو دربارِ خداوندی سے نبوت کی خلعت عطا ہوئی، اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے اسلام کی روشنی سے متمتع ہونے والوں کی اولین صف میں وہ بھی شامل تھے۔

ایک روز انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا

کو مصروفِ عبادت دیکھا، اور اس درجہ متاثر ہوئے کہ طفلانہ استعجاب کے ساتھ استفسار کیا:

''آپ دونوں کیا کر رہے ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے منصب گرامی کی خبر دی، اور کفر و شرک کی مذمت کر کے دعوتِ حق دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی کمسن تھے، اس لیے عرض کی:

''اپنے والد (ابو طالب) سے اس بارے میں دریافت کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ فی الحال نبوت اخفاء میں رہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''علی (رضی اللہ عنہ) اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو، لیکن کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔''

اب اس کمسن نونہال کے عرصہ خیال میں حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہوئی، اور آخر کار شب و روز کی مسلسل جدو جہد نے حق کو فتح کر لیا، توفیق الٰہی ہوئی، اور اس وقت بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے، قبول اسلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں بسر ہوئے۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہ شب و روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے اور مجالس شوریٰ میں تعلیم و ارشاد کے اجتماعات میں کفار و مشرکین کے مباحث میں ہمہ اقسام کی صحبتوں میں شریک رہتے، اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ایمان کی روشنی اور کفر کی تاریکی میں امتیاز کرنا مزید آسان ہو گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے، آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کر کے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا، آپ رضی اللہ عنہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے خلیفہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی عمر سے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں اس لیے چھوڑ گئے کہ تمام امانتیں لوگوں تک پہنچا دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، سوائے ایک جنگ تبوک کے تمام جنگوں میں آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

17 رمضان المبارک 40ھ کو ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے عین اس وقت آپ رضی اللہ عنہ پر تلوار سے حملہ کیا، جب فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، اور اللہ رب العزت کے حضور سر بسجود تھے۔

20 رمضان المبارک 40ھ کی شب کو اسلام کا یہ مہر عالم افروز ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

## والدہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تمام جہانوں میں سب سے پاک اور اعلیٰ وافضل ہستیوں کی لختِ جگر تھیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جس وقت اس دنیا میں تشریف لائیں، وہ زمانہ دنیا میں تاریکی کا زمانہ تھا، ابھی اس کائنات میں نور کا ظہور ہونا تھا، ایسے نور کا ظہور جس کی تابانیوں سے تا ابد تاریکی کا خاتمہ ہونا تھا، ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ہاں پہلے دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہو چکی تھیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نور اقدس جب میرے بطن میں تھا تو میں ہر

روز جنت کی خوشبو سونگھا کرتی تھی، اور یہ خوشبو مجھے پورے نو ماہ مسلسل آتی رہتی، اور پھر یہ میری بیٹی میری گود میں آ گئی۔''

(نزہۃ المجالس، ج 2، ص 225)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کا سر مبارک چوما کرتے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے:

''اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) مجھے تمہارے سر سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔''

یہ روایت پہلی روایت کا تسلسل بھی کہی جا سکتی ہے اور شفقت پدری بھی۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے:''

''سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تھی۔''

اس سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جو نزہۃ المجالس میں درج ہے:

''یہ بات ناقابل یقین بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ وہی دور ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں معتکف ہوا کرتے تھے، اب ہمارا یہ علم نہیں ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ غار حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشغال کیا تھے، ہمیں تو اتنا ہی علم ہے کہ جب قدر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلا دیا سکھا دیا۔''

(نزہۃ المجالس ج 2، ص 225)

جناب صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کی ولادت کا نقشہ اس انداز میں کھینچا ہے:

''بہر حال شہزادی رسول عالمین کی تشریف آوری ہو چکی ہے، انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی ہے، آپ (رضی اللہ عنہا) کی چاروں قابل صد احترام

دائیاں آپ ﷺ کی بیٹی اقدس کو بوسے دے رہی تھیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت کی دس حوروں کو آپ رضی اللہ عنہا کے غسل اول کے لیے بھیج دیا، جنت کی حوریں ہاتھ میں نور کے زریں طشت اور سر پر کوثر کے مٹکے اٹھائے ہوئے ملکہ فردوس جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حضور میں حاضر ہو کر نہایت ادب سے سلام پیش کرتی ہیں، مبارک باد اور ہدیہ نعت پیش کر کے آپ رضی اللہ عنہا کی گود سے جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا لیتی ہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہا کو طشت نور میں بٹھا کر آب کوثر سے غسل دیتی ہیں، پھر جنت کی چھوٹی سی عبا پہنا کر خوشبوؤں میں بسا ہوا رومال آپ رضی اللہ عنہا کے سر اقدس پر باندھ دیتی ہیں، بعد ازاں جناب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی گود میں دے کر عرض کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صاحبزادی کو پاکیزہ اور طیب و طاہر اور برکت والی بنایا ہے، اور ان کی اولاد کو بھی برکت دی ہے، پھر یہ تمام مقدس بیبیاں آپ رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کر کے واپس چلی جاتی ہیں، جناب سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بے حد پرمسرت اور ہشاش بشاش ہیں چند لمحے پہلے طاری ہونے والا اضطراب ختم ہو چکا تھا، آپ رضی اللہ عنہا جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتی جا رہی ہیں اور دل ہی دل میں مسکرا رہی ہیں۔" (البتول: ص:21)

روایت ہے:

"جلد ہی رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر کر دی گئی۔"

یا یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ ایک پیاری سی بیٹی کی ولادت آپ ﷺ کے ہاں ہوئی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ فوراً ہی گھر تشریف لائے، ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کو ڈال دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاری بیٹی کو جی بھر کر دیکھا، اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی کو چوم لیا۔

روایت میں آتا ہے:

''آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے خدیجہ! (رضی اللہ عنہا) ہماری بیٹی دنیا کی بزرگ عورتوں میں سے ہے۔''

روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تینوں صاحبزادیاں جو کہ ننھی منی سی تھیں، اپنی اس نوزائیدہ بہن کے قریب موجود تھیں، اور بڑے پیار و محبت سے ان کے پرنور چہرے کو دیکھ رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی پیار کر رہے تھے اور نوزائیدہ بچی کو بھی، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں اس وقت سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد گھر سے باہر تشریف لے گئے، اور لوگوں سے فخریہ ارشاد فرمایا:''

''میرے ہاں میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) پیدا ہوئی ہے۔''

(سیرت پنجتن پاک، ص، 300-301)

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا بچپن کوئی بہت خوشگوار یادیں لیے ہوئے نہ تھا، بلکہ انتہائی پرآشوب دور تھا، لیکن ہم سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ابتدائی پانچ برسوں کو پرسکون سال ضرور کہہ سکتے ہیں، مگر جب آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پانچ برس ہوئی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرما دیا۔

صدیوں سے بت پرستی کرنے والوں اور اپنی جھوٹی اناؤں میں زندگی بسر کرنے والوں کے لیے یہ ایک تازیانہ ہی تھا، ایسے میں بھلا وہ کس طرح اللہ جل جلالہ

کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھ کا سانس لینے دیتے، مگر آپ رضی اللہ عنہا کی کم سنی کے دور کے بارے میں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

''مجھے کسی بچے کی پرورش میں اس قدر لطف پیش نہیں آیا کہ جس قدر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی پرورش کے دوران آیا۔'' (سیرت پنجتن پاک، ص:302)

ہجرت مدینہ کا دوسرا سال تھا، اسی سال اہل اسلام کو بہت سی خوشخبریاں اور عظیم انعامات سے نوازا گیا، اس برس ماہ رجب المرجب میں بروز پیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز مدینہ طیبہ کی ایک مسجد میں ادا فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور حسب معمول بیت المقدس کی طرف تھا، ابھی دوسری رکعت کا رکوع ادا ہی ہوا تھا کہ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی حکم دیا:

''اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کرلیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا رخ مبارک بیت اللہ شریف کی طرف کرلیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنا رخ تبدیل کرلیا، اسی روز سے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہوا۔

اسی برس رمضان المبارک میں روزے رکھنے کا حکم الٰہی ہوا، اسی برس صدقہ و فطرانہ واجب کیا گیا، اور اسی برس نماز عید بھی پڑھی گئی، اسی برس کفار کے ساتھ جہاد کی ابتداء ہوئی یعنی غزوہ ہوا، اسی برس غزوہ ابواٗ اور غزوہ ذوالعشیرہ بھی واقع ہوئے، اسی برس حضرت عباس بن عبدالمطلب غزوہ بدر کے قیدیوں میں مدینہ طیبہ لائے گئے، اسی برس غزوہ قینقاع واقع ہوا، اسی برس غزوہ قینقاع سے واپسی پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قربان ادا فرمائی اور قربانی بھی کی، اسی برس غزوہ سویق اور فرات الکدر واقع ہوئے، مگر سب سے اہم واقعہ اس برس کا یہ تھا کہ اس برس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا۔

کہا اور لکھا جاتا ہے:

''بوقت نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ک 18 برس تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک 25 برس تھی۔'' (مراۃ الاسراء، ص:134)

دیگر کتب میں یوں درج ہے:

''سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ 2ھ میں اللہ جل جلالہ کے حکم سے ہوا، اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 15 برس 5 ماہ اور 5 یوم تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک 21 سال 5 ماہ تھی۔''

(انوار المحمدیہ المواہب المدنیہ ص: 146، اشرف المدیہ ص: 111، الروضیۃ الفیحانی تواریخ انساء ص: 146، صواعق محرقہ ص: 173)

اوراق گزشتہ میں ہم نے جو تاریخ ولادت آپ کے سامنے پیش کی تھی، وہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ برس قبل کی تھی، اور اس روایت کے مطابق شعب ابی طالب کے وقت سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 12 برس بنتی ہے۔

محترم صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

''مخدومہ کائنات جناب سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کے سن ولادت میں بھی دیگر واقعات کی طرح مورخین کا کافی اختلاف ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ظہور نبوت سے پانچ برس قبل دنیا میں تشریف لائیں، یعنی اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال تھی۔''

اس حساب سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی کل عمر 29 سال بنتی ہے۔ (المبتول، ص:22-23)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں سیدہ فاطمۃ الزہراؑ (رضی اللہ عنہا) کو طلب فرمایا، اور ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔

اس کے بعد پھر طلب فرمایا اور سرگوشی فرمائی تو آپ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں، میں نے فاطمۃ الزہراُ (رضی اللہ عنہا) سے دریافت کیا:"

"اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) وہ کیا بات تھی؟"

فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:

"پہلے تو مجھے بتلایا کہ میں اس مرض میں انتقال کر جاؤں گا، یہ سن کر میں رو پڑی تھیں، پھر بتلایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاندان والوں کے تمام لوگوں سے پہلے جاملوں گی، یہ سن کر میں خوش ہوگئی۔"

(صحیح بخاری، باب مناقب الفاطمہ رضی اللہ عنہا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل ملک الموت کو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"زمین پر میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو جاؤ، اور خبردار اجازت حاصل کیے بغیر اندر نہ چلے جانا، اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی روح قبض ہرگز نہ کرنا۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ملک الموت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا تو عرض کیا:"

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت عطا فرمایئے کہ میں داخل ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔"

اس وقت سیدۃ النساءٔ رضی اللہ عنہا پاس بیٹھی تھیں، انہوں نے فرمایا:

"اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حال میں مشغول ہیں، اس وقت تو ملاقات نہیں ہوسکتی۔"

اس طرح ملک الموت نے تین بار اجازت چاہی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ہوش آیا تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) تمہیں کیا معلوم کہ یہ کون ہے؟ یہ تو لذتوں کو توڑنے والا، خواہشات اور تمناؤں کو کچل دینے والا اور بندھنوں کو کھول دینے والا ہے، یہ تو بیویوں کو بیوہ کر دینے والا، اور بچوں کو یتیم کر دینے والا ہے، یہ تو ملک الموت ہے۔'' (سیرت پنجتن پاک، ص:379-380)

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا زیادہ وقت گریہ وزاری میں بسر ہوتا تھا، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہا مسلسل بیمار رہنے لگیں۔

ایک روایت میں یوں ہے:

''ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا کی علالت کے زمانہ میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آواز پہچان کر آپ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:''

''اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) یہ ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں، اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔''

یہ سن کر سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''اگر آپ (رضی اللہ عنہ) پسند فرماتے ہیں کہ یہ اندر آ جائیں تو آپ (رضی اللہ عنہ) اجازت دے دیں۔'' (کتاب الوفا)

یہ جواب محض ایک سطر کا جواب نہیں ہے، اس ایک سطر میں حکمت و دانائی کے سمندر پوشیدہ ہیں، ایک صاحب کردار خاتون کا یہی فرض ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنے شوہر نامدار کی خوشنودی کے لیے سب کام کرے۔

مشہور و معروف روایت ہے:

''سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ عنہا نے مغرب اور عشاء کے درمیان اس جہاں سے پردہ فرمایا تھا، اطلاع سن کر پورے مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا۔ ابھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو ایک برس بھی نہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کو جگر گوشہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کی خبر مل گئی، ہر انسان گریہ وزاری کر رہا تھا۔''

جب جنازہ تیار کر لیا گیا تو اس موقع پر یہ بات یقینی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود ہوں گے۔

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ (سیرت پنجتن پاک، ص388)

۞

# ولادتِ باسعادت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تین صاحبزادیاں تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کے گلشن اقدس کا تیسرا ثمر ہیں، آپ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی تاریخ پیدائش میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل روایات بیان کی جاتیں ہیں۔

1۔ بعض حضرات نے آپ رضی اللہ عنہا کا سن ولادت 9 ھ بتلائی ہے، جس کی سب اسناد ضعیف ہیں۔

2۔ بعض مورخین کا خیال ہے:

''آپ رضی اللہ عنہا 6 ھ میں پیدا ہوئیں۔''

اس بارے میں کافی روایات موجود ہیں۔

3۔ بعض مورخین کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کی سن ولادت 5 ھ ہے۔

4۔ کچھ مورخین یہ خیال ظاہر کرتے ہیں:

''آپ رضی اللہ عنہا 4 ھ میں اس دنیا میں تشریف لائیں۔''

یہ بھی ضعیف روایت گنی جاتی ہے۔

5۔ ثقہ ترین روایت یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا 5 ھ میں پیدا ہوئیں۔

مصری مورخ ڈاکٹر فاطمہ بنت الشاطی نے اسے درست روایت قرار دیا ہے۔

(زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا، ص 33)

آپ رضی اللہ عنہا کے ماہ ولادت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل روایات تاریخ میں ملتی ہیں۔

1۔ بعض مورخین کے خیال میں آپ رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت 5 جمادی الاول ہے، اور یہ رائے سند خیال کی جاتی ہے۔ (زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا)

2۔ بعض مورخین یہ کہتے ہیں:

''آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ماہ رمضان کی آخری تاریخوں میں ہوئی۔''

3۔ بعض نے ماہ شعبان کے اواخر میں یوم ولادت لکھا ہے۔

حضرت زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاں تولد ہوئیں۔

حضرت زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا اس عظیم باپ کی نور نظر ہیں جن کی شان کے بارے میں متعدد آیات قرآنی شہادت دیتی ہیں۔

سورہ الدھر میں ارشاد پاک ہوتا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

''اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو۔''

(سورہ الدھر: 8)

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ

''تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔'' (سورہ المائدہ: 55)

اسی طرح سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ج فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذیشان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر، یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام۔'' (سورہ النساء:59)

اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہوتا ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ط إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

''اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو، جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی، اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے۔'' (سورہ الاحزاب:33)

قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد عالیشان ہے:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا
وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

''پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی، پھر عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔''

(سورہ آل عمران:61)

سیدہ زینب بنت علی (رضی اللہ عنہا) کی والدہ گرامی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیٹی ہیں جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست ہائے مبارک چومتے اور فرماتے:

''میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بہشت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے، اور مجھے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے بہشت کی خوشبو آتی ہیں۔''

مورخین رقمطراز ہیں:

''سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہہ اور ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم اور اہم ترین یادگار تھیں۔''

یہی وہ ہستی ہیں جن کے لیے ''اُمّ اَبِیهَا'' کی کنیت بتائی گئی ہے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایسی ہی مادر گرامی کے بطن مطہرہ سے دنیا میں تشریف لائیں، ایسی مخدومہ محسنِ کائنات کے دودھ سے پرورش پائی، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے دامن عاطفت میں زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ پرورش پاتی

رہیں، ایسی مادر عظیم کی نور العین ہیں، جن کے مقام طہارت پر قرآن کریم کی آیت گواہ ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اورتم کو پوری طرح پاک صاف کردے۔'' (سورہ الاحزاب:33)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہا کا رشتہ آیت مباہلہ کے ذریعے بھی پیوست ہے، جس میں آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اصلاح نِسَآءَ نَا ''اپنی عورتوں کو بھی۔'' (سورہ آل عمران: 61) کی مصداق ہیں، اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا آغوش رسالت کی پروردہ بھی ہیں۔

بنت بتول سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی مادر محرمہ کی محرم راز ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بڑے برادر محترم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ سبط اول، حجۃ اللہ، امام المتقین، ریحانۃ النبی، صفوۃ اللہ، کریم اہل البیت، القائم، الناصح، سید الابرار، اہل جنت اور نواسہ رسول، اہل جنت کے دوسرداروں میں پہلے سردار ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کا لقب مجتبیٰ ہے، جس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ اس ہستی کے مالک ہیں جس کے ارادۂ مصمم اور جن کی شجاعت کے باعث تاریخ کے حساس ترین موقعہ کا فیصلہ ہوا، جس سے اسلام نے بہت فائدہ اٹھایا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ شہزادہ سادات، پیکر اخلاق، نشانِ ہدایت، اہل الجنت، سردار کربلا اور نواسہ رسول جنت کے دوسرے سردار ہیں۔

اَلۡحَسَنُ وَالۡحُسَیۡنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھۡلِ الۡجَنَّۃِ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جہاد میں ان کے برابر شریک کار

ہیں، وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنہوں نے اپنی شہادت کا انتخاب کر کے ایک عظیم و جاوید شہادت کی بنیاد قائم کی، اس طرح اسلام کو زندگی اور شہرت جاوید حاصل ہوئی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ایک اور بھائی حضرت ابوالفضل العباس رضی اللہ عنہ جو واقعہ کربلا میں سپاہ حسینی کے ذمہ دار سقایت اور علمبردار لشکر ہیں، جن کے خلوص و محبت، راہ حق کے عاشقان و دلدادگان کے لیے سبق مہیا کرتے ہیں۔

حضرت ابوالفضل العباس رضی اللہ عنہ روزِ عاشور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قوتِ بازو اور زورِ پشت و کمر ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرمایا:

''اب میری کمر جھک گئی ہے۔''

بنت بتول سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک سے ہیں، جو ہر خطا سے معصوم و محفوظ ہیں، معصوم مادر گرامی کی نور العین اور امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت بھائیوں کی عظیم بہن ہیں، ایسے گھر کی فرد ہیں جن میں والد گرامی، والدہ مکرمہ ایسے شہیدان راہ خدا بھائیوں کی بہن جو نسل در نسل راہ خدا میں قربانیوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔

ایسی صاحب عظمت ہستی زینب رضی اللہ عنہا کے مثل کون ہو سکتا ہے، کون ہے جو آپ رضی اللہ عنہا کی شان و مرتبت اور حسب و نسب میں برابری کا دعویدار ہو؟

## اسماء و القاب

آپ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی زینب کبریٰ (رضی اللہ عنہا) ہے، بنی ہاشم کی بزرگ ترین خواتین میں سے ہیں، یہ وہ اسم گرامی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کے لیے اس دور میں تجویز فرمایا، جب عربوں کے اذہان میں ابھی اندیشہ ہائے دور جاہلیت تازہ باقی تھا، جب وہ بیٹی کی ولادت کو نہ صرف یہ کہ مبارک و مسعود نہ

جانتے تھے بلکہ بیٹی کی پیدائش خاندان کے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔

جاہلیت کی اس ظلمت میں بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی موت کی آغوش میں پہنچا دیا جاتا تھا، ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ولادت با سعادت ہوئی، وہ جن کی ذات گرامی اللہ رب العزت کی مخلوق کے لیے محبت خدا کا مقام رکھتی ہے، اور پھر خواتین کو احترام و محبت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، معاشرے میں ان کا مقام بلند ہوا، انہیں عزت و وقار سے نوازا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عزت و احترام کر کے لوگوں کو سکھا دیا کہ بیٹی کی جانب کس طرح رجوع کرنا اور اس کے مقام کا کس طرح ادراک کرنا چاہیے، یوں لوگوں کے اذہان کم و بیش بدلنے لگے، اور انہوں نے اسلامی تصور کو اپنانا شروع کر دیا، تاہم ابھی کچھ متعصب و بد اندیش ایسے تھے جو بیٹی کے وجود کو کراہت کی نظر سے دیکھتے تھے، یہی وہ دور تھا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقدس گھر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔

اس طرح یہ دوسری ہستی تھیں، جس پر مخلوق خدا میں خواتین کے بارے میں اللہ رب العزت کی محبت قائم ہوئی، یہ ایسی محبت تھی جنہوں نے جاہلان عرب کے تاریک اذہان اور غلط افکار پر تازیاز کا کام کیا آپ رضی اللہ عنہا کا نام "زین اب" یعنی والد محترم کی زینت قرار پایا۔

ابھی وہ دور جاری تھا جب کئی دیگر خاندانوں میں بیٹی کی ولادت کی خبر سن کر غم پریشانی سے باپ کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج واندوہ سے) بھر جاتا ہے۔'' (سورہ النحل:58)

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دنیا میں تشریف لائیں تو سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی:

''نوزائیدہ بیٹی کا نام تجویز فرمائیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو ان دنوں سفر میں تھے) سبقت نہیں کر سکتا۔''

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف تو ان سے درخواست کی گئی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نومولود شہزادی کے لیے نام تجویز فرمائیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اس کام میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی:

''پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ شہزادی کا نام زینب رکھا جائے۔'' (زینب کبریٰ، ص:329)

ڈاکٹر فاطمہ بنت الشاطی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

''فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی بیٹی دنیا میں آئیں تو ان کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام کو ''زینب'' کی زینت بخشی۔'' (زینب بطلۃ کربلا)

ڈاکٹر فاطمہ بنت الشاطی مصری مصنفہ ہیں، اور انہوں نے یہ کتاب دختران رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تحریر کی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کئی کنیات ہیں، جن میں چند ایک تاریخ کتب میں زیادہ مشہور ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی مشہور ترین کنیت ''ام کلثوم'' ہے، اور اس کی نسبت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب دی جاتی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیت ''ام الحسن'' ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عظیم صفات کے ظہور کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کے متعدد القاب کے تعین کی نوبت آئی، اور آپ رضی اللہ عنہا کی مخصوص صفات کے اعتبار سے لوگ آپ رضی اللہ عنہا کو منسوب کرنے لگے۔

حضرت زینب بنت بتول رضی اللہ عنہا کو عظیم و خردمند خاتون کے طور پر ''عقیلہ'' کا نام دیا گیا ہے، اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا کو ان القاب سے بھی نوازا گیا۔

''سرابیها، عقیلة النساء، نائبة الزهرا، الضیحة، الفاضله''

امیر المومنین حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اپنی شوہرداری، خانہ داری اور پرورش اولاد کے باوجود اپنے والد محترم کے ذاتی امور کی آپ رضی اللہ عنہا ہی منتظم تھیں۔

اپنے برادرانِ محترم کے زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہا ہر شخص سے زیادہ اپنے بھائیوں کی ولایت کی محرمِ راز اور ان کے ہمراہ رہتیں، واقعہ کربلا کے دوران نہ صرف یہ کہ آپ رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مددگار، خطراتِ موت میں آپ رضی اللہ عنہ کی محافظ مددگار اور شریک جنگ بلکہ شریکِ مصائب عاشور تھیں، اگر اس وقت آپ رضی اللہ عنہا موجود نہ ہوتیں تو واقعہ کربلا کبھی زندہ نہ ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے واقعات کربلا کو دور و نزدیک تک پہنچا دیا تھا۔

## بچپن اور تربیت

جیسا عمدہ ماحول اور بہترین تربیت آپ رضی اللہ عنہا کو میسر ہوئی، ایسی تربیت کم ہی

بچوں کو نصیب ہوتی ہے، آپ رضی اللہ عنہا وہ ہیں کہ جنہوں نے گہوارہ عصمت میں آنکھ کھولی، اور ایسے ماحول میں سنِ رشد میں قدم رکھا، جو منصب وحی کا حامل اور سایہ تطہیر سے ملا تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے آغوش رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش پائی، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی عظیم المرتبت ماں سے مادی و معنوی خوراک حاصل کی، سر پر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سایہ تھا، بچپن میں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جیسے دو معصوم بھائیوں کے ساتھ کھیلیں، جو دونوں جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

ایسی پرنور فضا اور ماحول میں خیر و سعادت کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب سایہ عاطفت میں پرورش پا کر سنِ رشد کو پہنچیں آپ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ منسلک رہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی ہم نوا اور ہم خیال بنیں، اس طرح آپ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اپنی والدہ محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی شخصیت کے ساتھ اس طرح استوار ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہا کو عصمت کبریٰ کا پرتو تسلیم کیا گیا، اس مادر اقدس کے مقام بزرگ، ان کے اخلاق و صفات و راہ و رسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلق و متعلقہ فرائض، عالی مقام والد کی خدمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، یہ سب باتیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے ایسے اسباق بنے جن کے مستقل اثرات آپ رضی اللہ عنہا کی مدت العمر میں باقی رہے۔

جیسا کہ اوراق گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے، آپ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی ''زینب'' رکھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے گہری محبت رکھتے تھے، انہیں اپنی آغوش مبارک میں بٹھاتے، ان سے راز و نیاز کی باتیں کرتے، ان کی تربیت بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مانوس تھیں، آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشات سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوئیں۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی ایسی باتیں سنیں اور سیکھیں جنہیں مستقبل کے محدثین نے نقل کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی تربیت کے چند اولین برس بیت رسالت، مہبطِ نبوت اور خانہ وحی میں بسر ہوئے، وہ گھر جو خمسہ آل طیب کا خانہ سعادت اور مرکز حیات ورشد و ہدایت تھا، اس مقدس گھر میں آیہ تطہیر اور قرآن کا نزول ہوا۔

بنت بتول حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آغوش رسول ﷺ میں شعور کی آنکھیں کھولیں، اس دامنِ تربیت میں آپ رضی اللہ عنہا نے مدارج کمال طے کر کے علم، عفت، تقویٰ، عبادت، محبت خداوندی اور خدمت دین کی صفات میں اکملیت پا کر تربیت روحانی کے بلند ترین درجات پائے۔

بنت بتول حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے دامانِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں پرورش پائی، ایک وقت وہ تھا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دست مبارک سے لقمہ غذا آپ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک میں دیتے، اور اپنے لطف و عنایت کی حرارت سے آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش فرماتے، آپ رضی اللہ عنہا نے آغوشِ پدرو مکتب ولایت سے درس پایا، باب مدینہ علم میں سن شعور میں قدم رکھا اور پرورش پائی۔

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں، یوں آپ رضی اللہ عنہا والد ماجد کی زیادہ محبت کا سبب بنیں۔

ایسے عظیم المرتبت باپ کی نگہداشت، مراحل زیست میں اپنے ذاتی مسائل میں گرانقدر والد سے حصول درس و اسباق اخلاق، دیانت و توحید اور برداشت و تحمل کی تربیت پائی، اور یہ ماحول و کیفیت اور محبت و ربط کا سلسلہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت 40ھ تک جاری و ساری رہا۔

ایک روز بنت بتول حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھی تھیں، وہ اس وقت کمسن تھی، انہوں نے پوچھا:

''بابا جان! کیا آپ (رضی اللہ عنہ) کو ہم سے محبت ہے؟''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یقیناً میری بیٹی! میری اولاد میرے جگر کا ٹکڑا ہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''بابا جان! مومن کے دل میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوتیں۔''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا، پھر فرمایا:

''یہ دو محبتیں اللہ کی محبت اور اولاد کی محبت ہے۔''

اور اگر یہ محبت ناگزیر ہو تو پھر چاہیے کہ......

ہماری طرف نظر مہر ہو اور محبت اللہ تعالیٰ کی جانب مخصوص ہو۔''

اپنی بیٹی کی اس تیز فہمی کے باعث ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت آپ رضی اللہ عنہا سے اور زیادہ ہوتی تھی، آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق اسی گھرانے سے ہے، جہاں آپ رضی اللہ عنہا نے ایسے دو بھائیوں کے ساتھ بچپن گزارا، اور دو ایسے بھائی آپ رضی اللہ عنہا کے ہم تربیت رہے، جو دونوں امت کے امام ٹھہرے۔

یہ بہن بھائی مدینہ طیبہ میں مقام رشد کو پہنچے، وہیں پرورش پائی، اور اس گھر میں رہتے جو مرکز وحی الٰہی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر تربیت روحانی کی خاطر خاص نظر عنایت تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا نے بچپن کے ایام اپنے گھر میں انتہائی خوشی و مسرت میں بسر کیے، جبکہ ابھی تک رنج والم کا سایہ ان پر نہ پڑا تھا، اور یہی آپ رضی اللہ عنہا کا دور شادمانی تھا، یہی وہ دور تھا جس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے اور والدہ گرامی کی وفات ایسے واقعات تھے، جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سے ظاہری دور انبساط و شادمانی کو چھین لیا۔

❁

# محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحصل

بنت بتول سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھ برس تک مشاہدہ کیا، آپ رضی اللہ عنہا اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش مبارک کی زینت بنی رہتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت و شفقت فرماتے تھے، کیونکہ وہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نور نظر تھیں۔

کوئی دن ایسا نہ گزرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھتے، یا انہیں اپنی زینتِ آغوش بناتے، نواسی کی پیاری پیاری اور معصوم سی باتیں، جو کبھی سمجھ بوجھ اور عقل و دانش سے خالی نہ ہوتیں، اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے سامنے دہرایا کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد خوشی و پیار کا باعث بنتیں، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نواسی کو ان کے بچپن میں جو پند و نصائح بتاتے وہ ان کی مستقل کی حیات کے لیے درس ہائے بے بہا بن جاتے۔ (اسد الغابہ، ج:5)

بنتِ بتول سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مانوس تھیں، آپ رضی اللہ عنہا اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد شوق رکھتی تھیں، جب بھی فراغت ملتی مستفید ہوتیں، اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف یاب ہوتیں۔

اس سلسلے میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سبقت لے جاتے، لیکن سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا بھی ان کے پیچھے پیچھے پہنچ کر اس محفل محبت کی شمع ہائے تجلی میں اضافہ کرتیں، اور یہ سب خانہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رونق کا

باعث بنتے۔

بیت رسول ﷺ وحی کا مرکز تھا، برکات الٰہی کا نزول یہیں ہوتا تھا، یہاں کے ماحول و فضا عطرِ فردوس سے مملو ہوتے تھے، اس لیے فطری طور پر یہ سب اس فضائے جاں فزا کے مشتاق رہتے، اور ان کی ارواح اس ماحول میں زندگی بسر کرنے کی آرزومند رہتیں، اس ماحول میں مستزاد رسول اللہ ﷺ کے زمزمہ ہائے ہدایت ان کی رہنمائی، شوق اور محبت میں اس لیے بھی اضافہ کا باعث بنتے کہ اس طرح ان کے لیے آئین مقدس رسول اللہ ﷺ سے آگہی کا مسلسل و مستقل اضافہ ہوتا رہتا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایسی پر نور فضا میں پرورش پائی، اپنے نانا ﷺ کی زیارت کا شوق اس درس آموزی میں مزید شوق کا باعث تھا، تحمل و برداشت میں اضافہ کا سبب، دین کے مسائل سے واقفیت، بحث و دلائل کے اسباق، توحید و خدا شناسی کا تعارف، عبادت، زہد و تقویٰ کی منازل و مقامات صراطِ مستقیم اور فرض شناسی کے جذبات کے دروس اور دیگر متعدد رہنما اصولوں کی تعلیم۔

پاکیزہ والدین کے سایہ تربیت نے اس میں مزید اضافہ کیا پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسے بھائیوں کی محبت اور ہمراہی نے ان کیفیات کو دو چند کر دیا، اسے مزید فروغ بخشا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان سب کا نور العین اور ایسی کامیاب و عظیم ہستی بن گئیں کہ ان تمام عقل و دانش کے آثار آپ رضی اللہ عنہا کی آئندہ زندگی میں ہر لمحہ دیکھے جا سکتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی عظمت کے یہی آثار ہمیں واقعاتِ روز عاشور میں بکثرت نظر آتے ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بچے کی شعوری نشو و نما اور قوت فکر کا راز حسن تربیت کی معنوی تاثیر میں مضمر ہے، اور والدین کے اخلاق و عادات بچے کی

ابتدائی زندگی کے ہر پہلو پر مثبت ہوتے ہیں، ان پر اپنا گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔

بنت بتول سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا وہ باعصمت خاتون ہیں، جن کا عہد طفولیت فضیلتوں کے ایسے پاکیزہ ماحول میں گزرا جو اپنی تمام جہات سے کمالات سے بھرا ہوا ہے، اور اس پر ہر سمت روحانی اقدار محیط تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی روحانی عنایات سے نوازا اور اخلاق کریم سے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی فکری تربیت کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم فرمایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا شمار ان عظیم المرتبت شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے پاکیزہ ماحول کی تاثیر سے فکر ونظر اور اخلاق و کردار کی عظمتوں کو حاصل کیا، کیونکہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے مرکز وحی میں تربیت ونشوونما پائی، اور درسگاہ توحید میں فکری تربیت پائی۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو اپنے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنا نصیب ہوا، وہ اللہ رب العزت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ایک کامل انسان ہونے کی حیثیت سے دنیائے بشریت کو عدل وانصاف کی روشنی سے منور فرمایا، اور فضیلتوں اور کمالات کی بنیادوں کو مستحکم کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظمتِ اخلاق سے عالم انسانیت پر چھا گئے، اور لوگوں کو کلمہ توحید کے سایہ میں توحید کا پاکیزہ درس دیا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کو اپنی حیات مبارکہ کا معیار عمل بنایا۔

بنت بتول سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک پاک و پاکیزہ اور مقدس گھر میں اپنی حیات طیبہ کی ارتقائی منازل طے کیں، اور اپنے عظیم المرتبت جد بزرگوار کی نگاہ لطف وکرم کا مرکز بن کر اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبتوں اور شفقتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

حضرت زینب صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ والد اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی مقدس و پاکیزہ مادر گرامی کے گھر میں دنیا میں تشریف لائیں، آپ رضی اللہ عنہا دو بھائیوں کے بعد اس دنیا میں آئیں، چونکہ آپ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی بیٹی تھیں، اس لیے فطری امر ہے کہ گھر میں اہم اور عزیز ترین مقام کی مالک قرار پائیں، گھر کے افراد آپ رضی اللہ عنہا کو انتہائی تکریم و محبت کی نگاہ سے دیکھتے، دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا خصوصی حمایت و توجہ کا مرکز بنیں، دونوں بھائی بھی بہن سے بے حد محبت رکھتے تھے، چھوٹی بہن کے ساتھ بچپن کے مشاغل میں ہمہ وقت مصروف رہتے، انہیں گود میں اٹھاتے اور اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

گھر کے ہر فرد کی خواہش تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ رکھے اور محبت کے پھول نچھاور کرے، اس لیے گھر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو کسی قسم کی تنہائی کا احساس نہ تھا، ہمہ وقت یا تو آغوشِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں رہتیں یا بھائیوں کے ہمراہ بچپن کے مشاغل سے لطف اندوز ہوتیں، یا پھر آغوش پدر اور سایہ مادر آپ رضی اللہ عنہا کو میسر رہتا۔

## زیر سایہ مادر اقدس

پیدائش کے بعد پرورش کا زمانہ مادر مقدس کے زیر سایہ گزرا، دوران شیر خوارگی بھی مقدس و عظیم المرتبت ماں سے نگاہ رموز آمیز کا تبادلہ کرتی تھیں، سفر آخرت اختیار کرنے کے بعد تک ہمہ وقت سیرت والدہ کو مرکز نگاہ رکھا، اور یہی کوشش رہی کہ روزگار حیات اور امور خانہ داری کو پوری تندہی کے ساتھ اس روش پر قائم و دائم رکھیں۔

اختتام بچپن تک لڑکپن کی تمام باتوں میں اپنی والدہ محترمہ سیدۃ النساء حضرت

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی پیروی کرتیں اور ان کی ہم سخن رہیں، گفتگو بھی انہی کی زبان میں سیکھی، اپنی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی ہمدم و ہمراز رہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا زندگی کے تمام فرائض اور چھوٹی چھوٹی باتیں یہ سب مادر مقدس سے سیکھتیں، والدہ کی عبادت کو دیکھتیں، اللہ رب العزت سے راز و نیاز کی کیفیات کا مشاہدہ کرتیں، آپ رضی اللہ عنہا ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری کی انجام دہی، باورچی خانہ کے امور یہ سب سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے سبق آموزی کا باعث بن جاتے۔

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا، تمام خاندان پر سوگ کا عالم طاری ہوا، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اس جدائی کو اپنے قلب مبارک کی اتھاہ گہرائیوں میں اتار لیا، اس زمانہ میں سیدۃ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ہی وہ شخصیت ہیں جو سب سے زیادہ، گھر ہو یا باہر، یہاں تک کہ اپنی والدہ محترمہ کے بیت الحزن میں نہ صرف ان کی اشک افشانی کی سب سے بڑی شاہد ہیں بلکہ ان کی تسلی کا اہتمام بھی فرماتیں، تاہم بیٹی ہوتے ہوئے اگرچہ ماں کی ہمدرد اور مانوس تھیں، گہری محبت رکھتی تھیں، پھر بھی کمسنی کے باعث غم و ہمدردی محدود ہی رکھتیں، نتیجہ یہ ہوتا کہ اپنی والدہ محترمہ کو اشکبار دیکھ کر خود بھی غمناک ہو جاتیں، اور نوبت یہ آتی کہ خود مادر مکرمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ان کو تسلی دیتیں، ان کے آنسو پونچھتیں گود میں لیتیں اور فرماتی:

''ہماری بیٹی! مت روؤ۔''

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے غم کی عکاسی خود ان کے اس شعر سے ہوتی ہے:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

''بابا! آپ کے بعد جو مصیبتیں مجھ پر پڑیں اگر روشن دنوں پر پڑتیں تو وہ تاریک راتوں میں بدل جاتے۔''

عظیم والدہ کی تسلی و تشفی سے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو آرام تو ملتا، خاموش ہو جاتیں پھر بھی اپنی محترم و مقدس والدہ کے غم و احساس اور صدمات و مصائب کا علاج کیا کرتیں مصائب یہیں ختم نہ ہوئے بلکہ چند روز گزرنے کے بعد سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے مادر آغوش میں اپنی زندگی کے بنیادی اصول سیکھے، اور جب آپ رضی اللہ عنہا نے ابتدائی تربیت کے دور کے آخری مراحل طے کر لیے تو خود کو نبوت و امامت کی رفعتوں میں گھرا ہوا پایا، اور مرکز رسالت و محور امامت سے بہرہ ور ہونے پر اپنی اکتسابی عظمت کے احساس کو قوت بخشی۔

تاریخ اوراق کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ولادت کے بعد کسب کمال کی جو منازل سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے پائیں، وہ کسی دوسری نومولود بچی کو نصیب نہ ہوئیں، اور تربیت کی جو اقدار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئیں، اور تربیت کی جن اقدار کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حاصل کیا یہ سب کچھ اس محترمہ و مکرمہ کی فطری عظمتوں اور ذاتی رفعتوں کے مبارک آثار کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے کسب کمال کی عظیم منازل طے کرنے کے لیے صبر و استقامت کو اپنا شعار بنا لیا، چنانچہ ان کی معراج عرفان کے متعلق کہا جاتا ہے:

''جب بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قرآن پاک کی تلاوت کا شرف حاصل

کرتیں اور حقائق و معارف الٰہیہ کے ادراک کے لیے اپنے والد گرامی کے حضور اپنی کیفیت اخلاص کا اظہار کرتیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آیات الٰہی کی تفسیر دریافت کر کے احساس عظمت حاصل کرتی تھیں، اور اپنے مضبوط ارادے کے ساتھ حقائق وعلوم کے ادراک کے لیے زانوئے ادب خم کر کے اپنی فضیلتوں میں اضافہ کرتیں، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی باعظمت بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی افکار سے متاثر ہو کر مستقبل کے حالات اور خوفناک واقعات کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے تھے، اور جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی آزمائش و امتحان کی سخت گھڑیوں سے مطلع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس خاموشی اور دل کی دھڑکن کو قابو میں رکھنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔'' (السیدہ زینب رضی اللہ عنہا، از عائشہ بنت الشاطی)

## زیر سایہ والد محترم

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو دور بچپن میں والد محترم کا سایہ لطافت اور قرب حاصل ہوا، آپ رضی اللہ عنہا ان کے انس ومحبت سے لطف پاتیں، اور ان سے بہت سے اسباق حاصل کرتیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک سے ادا ہوا ہر لفظ آپ رضی اللہ عنہا کے لیے درس اور افزائش دانش کا سبب ہے۔

والدہ محترمہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد باوجودیکہ حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا ابھی بچپن کا زمانہ تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے جملہ امور خانہ داری کو بحسن وخوبی سنبھال لیا، عظیم والدہ محترمہ کی تربیت ونصیحت کی بنا پر والد محترم کی خدمت اور بھائیوں سے متعلق کام کاج کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی:

''اپنی اس کمسن مگر عظیم صاحبزادی کو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و حوادث اور رموز سربستہ سے تھوڑا تھوڑا آگاہ کرتے رہیں، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم کو یہ جواب دے کر ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیتیں:''

''مجھے اماں جان نے سب کچھ بتا رکھا ہے۔'' (زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا)

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد محترم کے بیت اطہر میں بے انتہا محبت حاصل تھی، آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا کی تربیت اس خوبی کے ساتھ کی تھی کہ ماں کی عدم موجودگی میں گھر کا انتظام و انصرام خوب سنبھال رکھا، اس میں آپ رضی اللہ عنہا کو کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے شادی سے پہلے بھی والد محترم کے گھر کا انتظام و انصرام سنبھالے رکھا، اور شادی کے بعد بھی اپنے والد محترم کے گھر پر اپنی توجہ پوری نہ صرف مرکوز رکھی بلکہ گھر سے متعلق تمام امور کی نگہداشت بھی بدرجہ اتم کرتی رہیں، اپنے محترم بھائیوں کا بھی پورا خیال رکھتیں۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے بچپن کے ایام میں اپنے گھر کا جو ماحول دیکھا، وہ ان کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا تھا، اس مقدس گھر میں انہوں نے جو روحانی اقدار مشاہدہ و ملاحظہ کیں آپ رضی اللہ عنہا اپنی حیات مبارکہ کی آخری سانسوں تک ان معیارات پر عمل پیرا رہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزاہراؑ رضی اللہ عنہا کا عکس تھیں، والدہ محترمہ کی حیات مقدسہ کے تمام نقوش آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں شامل تھے۔

## شہادت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت سنبھالی تو ہر طرف شورشوں نے سر اٹھانا شروع

کر دیا، ہر طرف خانہ جنگی کا سا ماحول تھا، خوارج کا فتنہ تو سب سے بڑا تھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کر لیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوفہ سکونت پذیر ہوتے ہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی وہیں اقامت گزیں ہوئیں، مگر یہ سلسلہ اقامت مستقل نہ تھا، بلکہ یک گونہ مسلسل سفر تھا، کبھی کوفہ میں ہوتیں تو کبھی مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرماتیں، آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی، ایک حصہ زندگی والد گرامی اور محترم بھائیوں کے لیے تھا، اور دوسرا اپنے شوہر اور عیالداری کے لیے مختص تھا، یہ سفر پانچ سال پر محیط ہے، مگر اس میں آپ رضی اللہ عنہا نے نہ دشواری کا خیال کیا اور نہ ہی کبھی زیر ملال آئیں، بلکہ اس دور کو آپ رضی اللہ عنہا نے انتہائی خندہ پیشانی سے نبھایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی پر مشقت حیات کا بیشتر حصہ اپنے برادران محترم رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بسر کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت بڑی فقیہہ خاتون تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کو خاتون کربلا بھی کہا جاتا ہے، آپ رضی اللہ عنہا بڑی شاکر و صابر خاتون تھیں، جب کوفہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا کوفہ سے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہو گئیں، یہ عرصہ بیس سال پر محیط ہے، ان میں دس سال حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے زمانہ امامت کے ہیں اور دس سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے امامت کے دور پر محیط ہیں، اس دوران آپ رضی اللہ عنہا کے دونوں برادر محترم اپنے اپنے گھروں میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ سکونت پذیر رہے، اور آپ رضی اللہ عنہا اپنے اہل خانہ کے ہمراہ اپنے گھر میں مقیم رہیں۔

## محبتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

اوراق تاریخ آپ رضی اللہ عنہا کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کے شاہد ہیں،

آپ رضی اللہ عنہا نے ایام بچپن کا زیادہ تر وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزارا، اپنے محترم بھائی کو دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہا خوشی ومسرت سے کھل اٹھتی تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہا کی بے پایاں خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔

روایت ہے:

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے عقد میں دیدار حسین رضی اللہ عنہ اور سفر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفر میں ساتھ چلنے کی شرط رکھی گئی تھی۔'' (زینب الکبریٰ، ص: 89)

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے:

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے بعد ایک روز آپ رضی اللہ عنہا کو افسردہ اور روتے ہوئے پایا گیا، دریافت کرنے پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہا تین روز سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دیدار سے مشرف نہ ہوسکیں۔''

بے شمار تاریخی روایات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ محبت کا یہ تعلق دونوں طرف برابر کا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنی بہن سے بے انتہا محبت و چاہت فرماتے، اور اپنا ہر راز آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں رکھتے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ اپنے محترم بھائی کے رازوں کی امین تھیں، زندگی کے عام اور خاندان اہل بیت کے مسائل میں آپ رضی اللہ عنہا کو یدطولیٰ حاصل تھا، آپ رضی اللہ عنہا دینی امور سے متعلق ہدایات اور ان کی محافظت سمجھی جاتی تھیں۔ (زنیب الکبریٰ ص 22)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں اپنی بہن کا یکساں احترام کرتے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہیں جانا چاہتیں تو آپ رضی اللہ عنہا کے برادر محترم سفر میں آپ رضی اللہ عنہا کے ہمرکاب رہتے، جب بھی آپ رضی اللہ عنہا خواہش کرتیں کہ بھائیوں کی قربت حاصل ہو، وہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

۞

# تشکیلِ بیت

آپ رضی اللہ عنہا کا بچپن مصائب و مشکلات کے دور میں گزرا، اللہ رب العزت کی عنایت سے کمسنی کے دوران والد گرامی کے سایہ عاطفت، اپنی کیفیت مزاج اور نرم خوئی کی بدولت جو آپ رضی اللہ عنہا کی فطرت کا حصہ تھی، آپ رضی اللہ عنہا اس قابل ہوئیں کہ ان تمام حوادث و واقعات ناخوشگوار کو برداشت کیا، اور اس عظیم پہچان و پیغام پر نگاہ رکھی، جو اللہ رب العزت کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

زیست کا یہ سفر جاری رہا، آپ رضی اللہ عنہا دور جوانی و شباب میں داخل ہو گئیں، اب وہ وقت بھی آ گیا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے خانوادہ کی تشکیل پائے اور رشتہ ازدواج سے منسلک ہوں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بلوغت کی عمر کو پہنچیں تو بہت سے اشراف و روسائے قبائل عرب نے آپ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کی درخواست کی، ان میں بعض دولت مند اور سالار تھے، جنہیں یہ زعم تھا کہ اپنی دولت و ثروت کے بل پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ازدواج کا افتخار حاصل کر لیں گے۔

ایک روایت میں آتا ہے:

''اشعث بن قیس جو قبیلہ کندہ کے روساء سے تھا اور حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا بہنوئی تھا، اسے اس بات کا غرور تھا کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتے کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسے

دامادی میں قبول فرمالیں گے، اس نے ایک روز آپ رضی اللہ عنہا کی رشتہ کی خواہش کی، مگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی درخواست کو اس کے غرور کی وجہ سے مسترد فرما دیا۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رشتہ کی خواہش میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دلی محبت تھی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے دل میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی حسرت موجود تھی، لیکن شرم و حیا مانع تھی کہ براہ راست شادی کی درخواست کریں، انہوں نے ایک قاصد تیار کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حضور درخواست پیش کی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند فرمایا اور ان کی درخواست قبول فرمالی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن چکے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا تھا:

"ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لیے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لیے ہیں۔"

خاندان کے بزرگ کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے نواسے اور نواسیاں، پوتے اور پوتیاں آپس میں ازدواجی سلسلوں میں منسلک ہو جائیں تاکہ ان کی نسل کا پاکیزہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو کیسے بھول سکتے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، وہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ جنہوں نے غزوہ موتہ میں شہادت کا خلعت اوڑھا، اور جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''وہ جنت میں دو جنتی پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ انتہائی سخی تھے، ان کی سخاوت و بخشش سے لوگ انہیں ''ابا المساکین'' کہتے تھے، بعد ازاں یہی میراث ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی اولین ہجرت حبشہ میں بحیثیت سردار شریک تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی۔ (الاصابہ، ج4، ص48)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے چچازاد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف بھی حاصل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا موردِ عنایت قرار دیا، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہمراہ سوار بھی فرمایا، اور ان سے باتیں کرتے احادیث بھی القاء فرماتے۔

(اسد الغابہ، ج3، ص144)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر دی تھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ انہیں شبیہ پیغمبر بتاتے، اور ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تحریر کرتے ہیں:

''عبداللہ اخلاق و صفات میں میری شبیہ ہے۔'' (الاصابہ، ج3 ص49)

تمام مورخین حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو کرامت و عزت نفس کی صفات سے یاد کرتے ہیں، خاص طور پر ان کی سخاوت پر بہت بحث کی گئی ہے، اس دور کی تاریخ میں عرب کے دس افراد کا سخاوت کے سلسلے میں بڑا ذکر آتا ہے، ان میں سرفہرست حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے۔

بعض مورخین نے تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو ''قطب السخاء'' یعنی

سخاوت کا منبع و مرکز قرار دیا ہے۔ (الاستیعاب، ابن عبدالبر)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بڑے مالی استحکام کے مالک تھے، اپنے اس مال کو سخاوت و بخشش کی راہ میں صرف کرتے، اکثر مورخین نے انہیں کریم و سخی لوگوں کا سید و سردار تسلیم کیا ہے، ایک شاعر نے ان کی توصیف میں یہ شعر بھی کہا ہے۔

وَلَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کَفِهِ غُتبرُ رُوْحِهِ

لَجَادِ لَهَا فَلْیَتَقِ اللّٰه سنائِلُهُ

"اگر ان کے ہاتھ میں ان کی جان کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اس کو بھی بخش دینے کو تیار تھا اور اس کے پاس آنے والے سائل کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتا اور ایسی درخواست ان سے نہ کرتا۔"

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ سخاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھی، ذیل میں چند مورخین کے اقوال درج کیے جاتے ہیں، جو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی دولت، ان کے معیار سخاوت اور اس سلسلہ میں ان کی فطرت کے آئینہ دار ہیں۔

✿ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے متمول اکابرین میں سے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا مال و دولت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ثمر تھا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! عبداللہ ابن جعفر (رضی اللہ عنہ) کے کاروبار میں برکت دے۔"

چنانچہ اسی دعا کے زیر اثر وہ مدینہ طیبہ کے مشہور سوداگر تھے، اس قدر سخاوت فرمایا کرتے تھے کہ "منبع جود و سخا" مشہور ہو گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کر دیا گیا، آپ رضی اللہ عنہا نے بہت جلد زندگی کی ذمہ داریوں میں قدم رکھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے

شفیق شوہر کے زیر اثر زندگی کی ابتداء کی، جن کے اہل خانہ ان کے چچا زاد اور آپ رضی اللہ عنہا کے مقام عالی کی اقدار کو سمجھتے تھے، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا کی شان و مرتبہ سے آگاہ تھے۔

اسی طرح بنت بتول سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مہربان زوجہ اور ان کی اولاد کے لیے مادر مہربان اور فرض شناس رہیں، آپ رضی اللہ عنہا اپنی زندگی کو اپنے فرائض کی مطابقت سے آراستہ کرتیں، اور تیزی کے ساتھ واقعات و حالات کے حساس مواقع کا ادراک کرتے ہوئے صحیح لائحہ عمل اختیار کر لیتیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی خانہ داری، اپنے شوہر کی خدمت اور اپنی اولاد کی ذمہ داری خوب نبھائی، آپ رضی اللہ عنہا اپنی عبادت و دعا کے لیے بھی اوقات مقرر فرماتیں، اپنے والد بزرگوار اور برادرانِ ذی وقار کی خاطر لائحہ عمل وضع کرتیں، اور یہ سب کام اس خوبی سے انجام دیتیں کہ یہ فرائض نہ تو آپس میں الجھتے اور نہ ہی ان میں کہیں کمی واقع ہوتی۔

بنت بتول سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ اور طریق کار حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے، آپ رضی اللہ عنہا ایک خاتون کی حیثیت سے نرم دل اور رقیق القلب ہیں، لیکن جہاں حالات و ضروریات تقاضا کرتے ہیں تو یہی نرم خو خاتون معظّمہ اپنے ہدف کے حصول کی خاطر پہاڑ کی طرح مستحکم و مضبوط دکھائی دیتی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا ایک ماں ہیں، اور ہر ماں کی طرح مرکز مہر و محبت اور رحمت و کرم ہیں، لیکن جہاں فرائض دینی، اسلام کی حفاظت اور وجود قرآن کا دفاع مقصود ہو تو اپنے عزیز ترین بیٹوں کو قربان کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر آنچ نہیں آنے دیتیں۔

سب خواتین اپنے مصائب میں آپ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتیں، آپ رضی اللہ عنہا

سے پناہ کی طالب ہوتیں، امداد رسی کے لیے آتیں تو سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ان کی داد رسی فرماتی رہتیں پناہ فراہم کرتیں، ان کے دکھ کا مداوا کرتیں، انہیں تسلی و تشفی سے نوازتیں، خواتین عام طور پر جنگ و جراحت کے موقع پر اپنے عزیز و اقارب کی اموات سے دو چار ہوتیں تو بے ہوش ہو جاتیں، اور ضعف و نقاہت کے باعث ایسے مناظر سے خود کو دور رکھتیں، لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے واقعات کا ایسی قوت قلب کے ساتھ مقابلہ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا عزم و استقامت سید الساجدین رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تسکین ثابت ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہا کا اپنا گھر ہے، زندگی کا ساز و سامان ہے، شوہر اور اولاد ہیں، فطری امر ہے کہ ان سب کے ساتھ انس و محبت ہو، لیکن ان سب کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا اپنے آئندہ پیش آنے والے حالات سے، ان حالات میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے کما حقہ واقفیت رکھتے ہوئے اپنی شادی کی شرائط میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہمراہی کو اہم ترین شرط قرار دیتی ہیں تا کہ اس عظیم شہادت اور پیغام سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

## ماحصلِ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

بنت بتول سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی تمام مقدس حیات جہد مسلسل میں گزری، آپ رضی اللہ عنہا کی پوری حیات میں ایک لمحہ آسودگی کا میسر آتا نظر نہیں آتا، تمام عمر تکمیل ہدف، احساس ذمہ داری اور اللہ رب العزت کی عبادت کی نذر کر دی، ایسے ایسے شدائد و مصائب برداشت کیے، اگر وہ سخت پتھروں پر پڑتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتے۔

ایک خاتون خانہ نشین اور ان تمام مصائب اور مشکلات و کشمکش کا مقابلہ انتہائی تعجب کی بات ہے، اپنی مقدس حیات مبارکہ کے آخری ایک دو سال تک تو سیدہ

زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتہائی جدو جہد اور ذہنی کشمکش میں بسر کیے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی حیات مقدسہ اور کاروبار حیات اس نہج پر انجام پائے کہ مغرب کے اکثر دانشور اسے معجزہ اور خود خاتون کربلا کو زندگی کے عجائب میں شمار کرتے ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایسی خاتون ہیں جنہیں دیکھ کر زمانہ کے بڑے بڑے مرد بحر حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور جن کے لائحہ عمل نے دنیا کے بڑے بڑے سیاستدانوں کو میدان سیاست کے بحر تعجب میں غوطہ زن کر دیا۔

# حوادثِ حیات

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایامِ صغر سنی میں اپنے محترم والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گلشن کا ایک مہکتا ہوا پھول تھیں، زندگی کے یہ ایام انتہائی پرمسرت اور خوشی سے لبریز تھے، کسی غم یا مصائب کی پرچھائیاں آپ رضی اللہ عنہا کے قریب سے بھی نہ گزری تھیں، زندگی انتہائی شاداب اور خوشی سے معمور تھی، آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا یہ عرصہ خوشی و شادمانی کا زمانہ تھا، یہ الگ بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی پُرتکلف اشیا اور تعیش سے خالی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ پُرفقر زندگی بسر کرتے تھے، گھر میں اکثر فقر و فاقہ کا راج رہتا، جس میں کبھی کبھار تلخیاں در آتی تھیں۔

ان ایام بچپن میں بھی یہ حقیقت باعث اطمینان قلب تھی کہ تقویٰ و شجاعت والد محترم کا سایہ اور مہربان ماں کا محبت بھرا پہلو میسر تھا، یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو ہر بچے کی ذہنی نشو و نما میں مثبت کردار ادا کرتی ہیں، اور ذہنی بالیدگی کا باعث بنتی ہیں، اس عمر میں بچہ ہر فکر اور غم سے آزاد ہوتا ہے، کسی غم کا سایہ اس کے قلب پر نہیں پڑتا، اور وہ اطمینان و خوشی بھری زندگی بسر کرتا ہے، زندگی کی تمام نعمتیں تو انہیں میسر تھیں، مگر زندگی کی ایک سب سے بڑی نعمت سے محروم ہو گئیں، شفیق نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ جنہیں اللہ رب العزت نے رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر مبعوث کیا تھا، جو معلم اخلاق تھے، جو انسانیت کے سب سے بڑے رہنما تھے، جو محبت و اخوت کا بے پایاں سرچشمہ تھے، جن کی محبت کا کوئی

کنارہ نہ تھا، اس محبت و شفقت سے محرومی کوئی معمولی بات نہ تھی، یہ نقصان عظیم تھا، جس کی کوئی تلافی نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد طوفان حوادث نے آپ رضی اللہ عنہا کو چاروں اطراف سے گھیر لیا، دکھوں اور مصائب کا طوفان اُمڈنا شروع ہو گیا، چمن زیست میں بہار کے بجائے خزاں نے جگہ لے لی، مگر پھر بھی آپ رضی اللہ عنہا کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، آپ رضی اللہ عنہا نے ان تمام حوادث زندگی کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور ثابت قدم رہیں، دست اجل نے آپ رضی اللہ عنہا کے باغ حیات پر گرفت کر لی تھی، گلشن حیات پر یکے بعد دیگرے کئی حوادث نے یلغار کی، غم واندوہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

## ایام بچپن

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بچپن کے ایام تھے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا، جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات مقدسہ کا آخری سال تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شفیق نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں اپنا خواب سنایا:

> ''میں اکیلی بالکل تنہا بیابان میں ایک بلند مکان پر کھڑی ہوں کہ اچانک ایک تیز آندھی اٹھی، ہوا کی شدت بہت زیادہ تھی، اور تا حد نگاہ گرد و غبار چھایا ہوا تھا کہ ہر طرف اندھیرے نے اپنی چادر تان لی، میرے قریب میں ایک درخت تھا، میں اس تند و تیز طوفان سے بچنے کے لیے اس تنہا درخت کی طرف بڑھی اور اس درخت کے ساتھ لپٹ گئی، وہ درخت جڑ سے اکھڑ گیا اب میں ایک دوشاخہ کی طرف بڑھی اور اس کی پناہ لی، وہ دوشاخہ بھی ٹوٹ گیا، میں پریشان اور حیرت میں مبتلا اپنی جگہ کھڑی تھی کہ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔''

رسول اللہ ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا خواب سن کر پریشان ہو گئے، آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ بدل گیا، آپ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر بیان فرمائی:

''وہ درخت جو جڑ سے اکھڑ گیا، میں ہوں، میری موت کا وقت قریب آ پہنچا ہے، وہ شاخ جس کی تم نے پناہ لینا چاہی، تمہاری والدہ محترمہ ہیں، دوسری شاخ تمہارے والد محترم ہیں، اس کے بعد جس دو شاخہ کی طرف تم بڑھی وہ تمہارے دونوں بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) اور حسین (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' (فاطمۃ الزہراؓ، ص: 58)

رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر کے آخر میں فرمایا:

''یہ خواب تقدیر کی آزمائش میں تمہاری بزرگی کو ظاہر کرتا ہے، تم اس آزمائش میں پوری اترو گی، بعد کے مصائب اور تکالیف میں تمہاری استقامت بہت بلند ہوگی۔''

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے بھی اللہ رب العزت کے آخری رسول ﷺ کا ایک خواب سنا، اور رسول اللہ ﷺ سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جبرائیل امین ہر سال میرے ہمراہ ایک بار قرآن کریم کا ورد کرتے تھے، امسال انہوں نے دو بار قرآن پاک کا ورد کیا ہے۔''

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''بابا جان! اس کے کیا معنی ہوئے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ میری عمر کا آخری سال ہے، اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔''

یہ سن کر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آبدیدہ ہو گئیں۔ (سیرت پنجتن پاک)

یہ وہ ایام تھے جب سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا میں ایک تغیر رونما ہوا، جو مصائب بلا خیز کا شاخسانہ تھا، یہیں سے آپ رضی اللہ عنہا نے صبر و قرار پکڑا، اور شکر و رضا کا دامن تھاما۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شجر اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیغام کے فروغ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ابھی پانچ اور چھ سال کی عمر کے درمیان میں تھیں، جب آپ رضی اللہ عنہا پر مصائب کے دور کا آغاز ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چھ برس کے قریب تھی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر کمسنی میں ہی مصائب کا آغاز ہوا، اور آپ رضی اللہ عنہا نے ان مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور یوں ''ام المصائب'' قرار پائیں، آپ رضی اللہ عنہا نے ان تمام مصائب کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، جس کی نظیر نہیں ملتی۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی زندگی کی پہلی مصیبت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے، یہ سانحہ عظیم تھا، پھر دوسرا غم آپ رضی اللہ عنہا پر یہ آن پڑا کہ شفیق و مہربان ماں بھی ہمیشہ کا ساتھ چھوڑ گئیں، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچوں کو ماں کی شدید ضرورت ہوتی ہے، یہ دونوں عظیم سانحات چھ سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا پر آ پڑے۔

بعض روایات میں ہے:

''یہ دونوں واقعات چار سال کی عمر میں پیش آئے۔'' (ابن اثیر، طبری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے پردہ فرما جانا، پورے خانوادہ کے لیے نقصان عظیم تھا، یہ صدمہ نا قابل برداشت تھا، اس مصیبت کا سب سے دردناک پہلو یہ تھا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا گھر بھر کی پریشانی و اندوہ اور تمام مرد و خواتین کے رونے اور آنسوؤں کو دیکھتیں اور اس کا درد اپنے دل میں محسوس کرتیں۔

ابھی سب ہی رسول اللہ ﷺ کے اس دار فانی سے چلے جانے کے صدمہ میں تھے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایک اور عظیم صدمہ جھیلنا پڑا، اولاد کے لیے ماں سب سے بڑی توجہ کا مرکز ہوتی ہے، بچپن کے ایام ماں کی محبت کے محور کے گرد گھومتے ہیں، ماں کی گود اس کے لیے سب سے بڑی پناہ گاہ ہوتی ہے۔ ذرا تصور کریں کہ اگر کسی بچے سے اس کی سب سے بڑی پناہ گاہ چھن جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی، وہ کون سا سہارا تلاش کرے گا، ابھی سب رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے غم میں مبتلا تھے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا بھی صاحب فراش ہو گئیں، ان کی علالت نے ننھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دل کو ہلا کر رکھ دیا، ان لمحات میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کی ہر طرح سے تیمار داری کی، آپ رضی اللہ عنہا ہی اپنی والدہ محترمہ کی مونس و غم خوار تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا زیادہ عرصہ حیات نہ رہ پائیں، جب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا انتہائی کمسن تھیں، یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ماں کی موجودگی بے حد ضروری سمجھی جاتی ہے، اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات سال کے درمیان میں تھی۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے وقت ننھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا غم سے بے تاب اپنی والدہ مرحومہ کے پہلو سے لگ گئیں، انہوں نے کس قدر صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کیا وہ حالات کس قدر قابل رحم تھے، اسی اثناء میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے انہیں وصیت کرتے ہوئے کہا:

''زینب! میری جان! تمہیں میری جگہ لینا ہو گی، جب تم میری جگہ لو گی، زندگی کی ذمہ داریاں اور گھریلو کام کاج کا بوجھ برداشت کرنا ہو

گا، تم ایسے میں اپنے بھائیوں کو تنہا نہ چھوڑنا، ان کا سہارا بنی رہنا، باپ کی
خدمت پوری محبت اور خلوص کے ساتھ کرنا۔"

اس کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئیں، انہوں نے جو پیغام دینا تھا وہ دے چکی تھیں۔

پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی ننھی منی غمناک آنکھوں سے اپنی والدہ محترمہ کے غسل آخر اور ان کی تکفین و تدفین ہوتے بھی دیکھی، اس معصوم دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی، دل میں کیا خیالات موجزن ہوں گے، وہی بہتر جانتی ہیں یا پھر اللہ رب العزت علیم و خبیر کو اس کی خبر ہے، نصف شب کے قریب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بند کفن درست کیے گئے، اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کو لحد میں اتار دیا گیا، اور لحد کو پر کر دیا گیا۔

شفیق ماں کی رحلت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے سانحہ عظیم تھی، یہ ایک ایسا دکھ تھا جس کی کوئی تلافی نہ تھی، جس کا کوئی مداوا نہ تھا، یہ ایسا دردناک واقعہ تھا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کو تازہ کر دیا۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تدفین کے بعد ننھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے گئیں اور شدت غم سے کہنے لگیں:

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آج وہ دن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے
پردہ فرما جانے کے بعد آج ہم نے اپنی محترم والدہ کو بھی جدا کر لیا، وہ
ماں جسے دیکھ کر ہم اپنے دل کو ڈھارس دے لیا کرتے تھے، آج وہ بھی
ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئیں۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جب گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر سنبھالا تو آہستہ آہستہ بے آواز روتی رہتیں، یہ کام بچوں کے لیے انتہائی دشوار گزار ہوتا ہے، بہت ہی محنت اور مشقت طلب۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر مصائب وغم کے دروازے کھل گئے، ایک کے بعد ایک مصیبت سامنے آ کھڑی ہوتی، مگر آپ رضی اللہ عنہا نے ان سب کا بلند ہمتی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، آپ رضی اللہ عنہا عظیم ماں کی عظیم بیٹی تھیں، اس ماں کی بیٹی جو بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھیں، جنہوں نے آغوش رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تربیت پائی تھیں، اس مادر عظیم نے آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش کی تھی، پھر بھلا وہ کیسے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ نہ کرتیں۔

وقتِ عمر جانب منزل تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا، اور وقت کو بیس سال پیچھے چھوڑ آیا، اس دوران آپ رضی اللہ عنہا نے نا مساعد حالات کا صبر و استقامت اور ضبط و تحمل کے ساتھ مقابلہ کیا، اور آپ رضی اللہ عنہا نے یہ طویل ترین عرصہ اپنے والد محترم شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنے محترم برادران عزیز کی خدمت گزاری میں بسر کیا، اور پھر آپ رضی اللہ عنہا نے ایک اور روح فرسا سانحہ دیکھا، شفیق باپ جو ماں کی جدائی کے بعد بیٹی کے لیے سائبان تھا، انہیں عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں زخمی ہونا پڑا، ایک اور عظیم حادثہ گزر گیا، دل کی دنیا میں تاریکی چھا گئی۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کا نیم جاں جسم اور خون آلود سر دیکھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین دن اس جان کنی کی حالت میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہ حادثہ ایک بار پھر سانحہ عظیم میں تبدیل ہو گیا۔

## حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا دور امامت آیا، لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، لیکن بعد ازاں انہی لوگوں نے بیعت شکنی کی، اور انہوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑ دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کی تدفین سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے تو مسلمانوں کی اکثریت نے آپ رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ بیعت لیں۔

پروفیسر سید عبدالقادر اور پروفیسر محمد شجاع الدین رقمطراز ہیں:

''پہلے چار خلفاءؑ کو دارالخلافت مدینہ کی اکثریت کے فیصلے اور بیعت نے خلیفہ بنایا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نشینی کے وقت مدینہ منورہ کے بجائے کوفہ دارالخلافت تھا، لہٰذا یہ حق تو اہل کوفہ کو تھا کہ وہ شخصی خوبیوں کی بنا پر جسے چاہیں خلیفہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) منتخب کر لیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تخت خلافت پر متمکن ہونا خلافت راشدہ کے اصولوں کے عین مطابق تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو پانچواں خلیفہ تصور کیا جاتا ہے۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے انتخاب خلافت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ میں باپ کے بعد بیٹا بھی تخت خلافت کی زینت بن سکتا ہے، بشرطیکہ اسے اپنے والد کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خلیفہ نہ بنایا جائے بلکہ اس میں ذاتی جوہر بھی ہوں، علاوہ ازیں باپ اپنی زندگی میں خود ولی عہد نامزد کر کے رعایا سے جبراً اس فیصلے کی تائید نہ کرائے، بلکہ رعایا خود بخود اس کی شخصی خوبیوں سے متاثر ہو کر خود ہی اسے اپنا حاکم مان لیں۔ (تاریخ اسلام، ص: 393)

شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی تدفین کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نے جمع ہو کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ان کی ذاتی خوبیوں کی بنا پر بیعت کی، سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری نے بیعت کی، اور اس کے بعد باقی سب لوگوں نے یہ سعادت باری باری حاصل کی۔

دوران بیعت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ لوگوں سے اقرار کراتے تھے:

''تم میرے مطیع و فرمانبردار رہو گے، جس سے میری صلح ہو گی، اسے تم دوست سمجھو گے، جس سے میری جنگ ہو گی، اس سے تم بھی نبرد آزما ہوں گے۔'' (تاریخ اسلام، ص: 393)

ایک حوالے کے مطابق:

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایران، عراق، خراسان، حجاز اور یمن میں خلیفہ تسلیم کر لیے گئے، ان چالیس ہزار آدمیوں نے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے پر آپ رضی اللہ عنہ کی نصرت میں رہنے کی بیعت کی تھی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بھی بیعت کر لی۔''

(تاریخ الائمہ، ص: 332)

بیعت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی:

''لوگو! کل تم سے ایک شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر لڑائیوں میں بھیجتے تھے، وہ کسی بھی جنگ میں ناکام نہیں لوٹا، میکائیلؑ اور جبرائیلؑ چپ و راست اس کے جلو میں ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے سوا جو اس کی مقرر کردہ تنخواہ سے بچ رہے تھے سونے چاندی کا کوئی ذرہ نہیں چھوڑا، یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کے لیے جمع کیے تھے۔'' (ابنِ سعد، ج: 3، ذکر علی رضی اللہ عنہ)

## امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک صلح پسند انسان تھے، وہ جنگ و جدال کو دل سے

پسند نہیں کرتے تھے، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو قتل وخونریزی سے شدید نفرت تھی، اور ایسی قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے جس سے مسلمانوں کی خونریزی ہو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو دستبردار ہو جائیں گے۔ (طبری، ج:7، ص:1)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کرلیا، اور یہ شرائط عبداللہ بن عامر کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوادیں، شرائط حسب ذیل تھیں:

- کوئی عراقی محض بغض وکینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائے۔
- بلا استثناء سب کو امان دی جائے گی۔
- ہواز کا کل خراج حسن (رضی اللہ عنہ) کے لیے مخصوص کردیا جائے۔
- حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو دو لاکھ سالانہ علیحدہ دیا جائے۔
- بنی ہاشم کو حلات (حلال) وعطایا میں بنی عبد شمس (بنی امیہ) پر ترجیح دی جائے۔

عبداللہ بن عامر کی طرف سے بھیجی گئی ان شرائط کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ترمیم کے منظور کرلیا، اور اپنے قلم سے اس کی منظوری لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین وعمائدین کی شہادتیں لکھوا کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوادیں۔

(اخبار الطوال دینوری، ص:230)

ایک دوسری روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے:

''جس وقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شرائط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے بھیجی تھیں، اس دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر جو شرائط چاہیں تحریر کردیں،

سب منظور کر لی جائیں گی، اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شرائط کا کاغذ پہنچا،
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے روکے رکھا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مہر کردہ کاغذ ملا تو انہوں نے اس
میں بہت سی ایسی شرائط جو پہلے مطالبہ میں نہ تھیں بڑھا دیں، لیکن
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں منظور نہ کیا، اور صرف انہی شرائط
کو قبول کیا جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پہلے ارسال کر چکے تھے۔''

(ابن اثیر، ج:3، ص342)

ہماری ناقص رائے میں یہ اس لیے ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پہلے ہی اپنی
شرائط روانہ کر چکے تھے، اس کا علم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہلے سے نہ تھا، ورنہ
وہ کبھی مہر کردہ کاغذ روانہ نہ کرتے، اور ان کی ارسال کی ہوئی شرائط کو جیسے کہ پہلے
قبول فرما لیا تھا اس کی توثیق کر دیتے، اس لیے بعد ازاں انہوں نے ان کی پہلی
بھجوائی گئی شرائط کو منظور فرمایا۔

کچھ احباب یونہی اس بات کو ہوا دیتے ہیں، ورنہ دونوں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت
سے کسی مسلمان کو انکار نہیں، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو اہل بیت کی بے حد عزت و
تکریم فرماتے تھے، اور انہیں کوئی نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبرداری کے بعد قیس بن سعد
انصاری کو اس کی اطلاع دی اور تمام امور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر
کے مدائن کی طرف چلے جانے کا حکم دیا۔

اس کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے آئے، حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں آ کر بھی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملے، اور دونوں

اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین میں صلح کی جو شرائط طے ہوئی تھیں زبانی بھی ان کی تصدیق و توثیق ہو گئی۔

(اخبار الطول، ص232)

## حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت

سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کیوں چھوڑی؟ یہ ایک بظاہر مختصر لیکن درحقیقت بڑا مشکل اور پیچیدہ سوال ہے، بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، اور کچھ واقعات بھی اس کی تائید میں مل جاتے ہیں، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ جلیل القدر منصب مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے ترک کیا، گویا یہ صحیح ہے اور جس فوج کو لے کر آپ رضی اللہ عنہ نکلے تھے اس میں کچھ منافق بھی تھے، جنہوں نے عین موقع پر کمزوری دکھائی، مگر اس فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے، جو آپ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنا عین فرض سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے لگے۔

(اخبار الطول، ص:230)

خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور باقی زندگی خدمت اسلام، تبلیغ احکام اور فرائض امامت میں گزاری۔

50ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا، روایت کے مطابق:

''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت زہر خورانی سے ہوئی۔''

بعض روایات کے مطابق:

''آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی حیدہ بنت اشعث نے آپ رضی اللہ عنہ کو کسی وجہ سے زہر دے دیا۔''

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ صلح وسالمیت کا

ماتم تھا، حلم و عفو کی چیخ و پکار تھی، صبر و تحمل کی آہ و فغاں تھی اور استغناء بے نیازی کا المیہ تھا کہ خاندان نبوت کے چشم و چراغ کا ماتم تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کی وفات پر مدینہ منورہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی خواتین نے ایک ماہ تک سوگ منایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں فریاد کرتے اور آنسو بہایا کرتے تھے، اور پکار پکار کر کہتے تھے:

''لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔''

(تہذیب التہذیب، ج:2،ص:301)

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سانحہ عظیم تھا، غم کا ایک بادل چاروں اطراف چھا گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر مل چکی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا کے محترم برادر بزرگ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا گیا ہے، یہ خبر آپ رضی اللہ عنہا پر کوہ گراں ثابت ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا فوراً اپنے محترم بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں، دیکھا کہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل رہے ہیں، اور کچھ ہی دیر بعد محترم بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والا ہے، وہ بھائی جن کی محبت و چاہت میں پرورش پائی، جن کے ساتھ بچپن کے ایام گزارے۔

اب والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پھر سے حافظہ میں تازہ ہو گیا، سب کچھ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا، اب تاریخ خود کو پھر سے دہرانے لگی تھی، ایک کے بعد دوسرا کاری زخم لگنا تھا، قلب پھر سے غم سے بھر جانا تھا، مصائب و آلام اور نئی نئی مصیبتوں نے بھی وارد ہونا تھا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ضبط کا دامن تھامے رکھا، یہ غم، یہ صدمہ اور یہ سانحہ بڑے صبر و تحمل سے اپنے قلب پر برداشت کیا، اللہ رب العزت کی رضا کے آگے سر

تسلیم خم کرلیا، زبان پر کوئی شکوہ کوئی فریاد نہ آئی، یہ سب واقعات سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے سر اقدس پر سے گزر گئے، مگر ابھی تسکین کا ایک سہارا باقی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد و تنہا یادگار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صورت میں موجود تھی، مگر مستقبل کے دبیز پردوں میں چھپی ہوئی حقیقت ابھی منظر عام پر نہیں آئی تھی، اس کے آشکار ہونے میں ابھی دس سال باقی تھے، اور مستقبل کے دبیز نقاب میں پوشیدہ ایک بڑا سانحہ ابھی آپ رضی اللہ عنہا کا منتظر تھا، وہ واقعہ کہ جس نے آسمان کو بھی خوں کے آنسو رلانا تھا، وہ واقعہ کہ جس نے اسلام کو استحکام بخشنا تھا، وہ واقعہ جو قربانی کی عظیم یادگار تھا، وہ واقعہ جس نے پوری دنیا کو لرزاں کر رکھ دینا تھا۔

یہ وہ واقعہ تھا، جس میں صبر و استقامت، رضا، قربانی، اور اسلام کی عظمت پوشیدہ تھی، یہ وہ واقعہ تھا جس میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ننھے جگر گوشوں کو قربان کرنا تھا، اور دنیا میں ایک نئی تاریخ رقم کرنا تھی۔

یہ وہ واقعہ تھا جس سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کوہ استقامت عیاں ہونا تھی، یہ وہ واقعہ تھا کہ جس نے کربلا کا چشم دید واقعہ دنیا کی آنکھوں میں سمونا تھا، یہ وہ واقعہ تھا جس سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے طاغوتی طاقتوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دینا تھا۔

آہ!

ابھی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں اور بہت سے حوادث غم اور دکھ پنہاں تھے۔

۞

# سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مقامِ علم و فراست

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا عالمہ و فاضلہ تھیں، وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تربیت یافتہ تھیں، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باب العلم کہا تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اس علم کے بحرِ بے کراں سے اپنے علم کی تشنگی کو دور کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی، برکت و فضیلت کا مشاہدہ کیا، اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں کھیلی بڑھیں، فہم نبوت کو ملاحظہ کیا، انوار کی بارش تلے پرورش پائی، آغوش مبارک (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوی میں پرورش پائی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور عظیم باپ کے سایہ عاطفت میں پلی، خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی گود میں سن شعور کو پہنچیں، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے عظیم بھائیوں کی رفاقت و محبت سے دامن بھرا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاکیزہ و مقدس حیات مبارکہ کے علمی پہلو قرطاس تواریخ میں درخشندہ و تاباں ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خواتین کی علمی و عملی تربیت کے لیے پاکیزہ عاقل دروس قائم کیے، جن میں ان خواتین کو قرآن کے ابدی و آفاقی حقائق سے آگاہ فرماتیں، اور دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ان کے اذہان و قلوب کو روشن و منور کرتیں۔ (زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا، ص: 35)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی محترم والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے سنے ہوئے جواہر پاروں کو بھی کثیر لوگوں تک پہنچایا، آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کی رہنمائی

و ہدایت کا فریضہ انجام دیتی رہیں، اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی صحت یابی تک اپنے اس فریضہ کو بخوبی انجام دیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی شان مبارک میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''آپ (رضی اللہ عنہا) علم و دانش میں وہ مقام رکھتی تھیں کہ انہیں دنیا کے ارباب دانش کے سامنے زانوئے تلمذ خم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، اور آپ (رضی اللہ عنہا) فہم و ادراک کی اس منزل پر فائز ہیں کہ انہیں کسب فیض کے لیے کسی صاحب فکر ونظر کی دہلیز پر جھکنے کی احتیاج نہ تھی۔''

(زینب زینب ہے، ص:13)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پاک ماحول و آغوش عصمت ملی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہمہ وقت دانش وفضیلت کے جواہر کی جمع آوری میں کوشاں ومصروف رہتیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے لیے بے شمار کمالات علم وفضل جمع فرمائے، اور آپ رضی اللہ عنہا کی کیفیت علم اس عروج تک جا پہنچی تھی کہ بہت سے دانشور پکار اٹھے ہیں:

''آپ رضی اللہ عنہا قابل روایات واحادیث ہیں۔'' (ابن حجر، الاصابہ)

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت خردمند اور صاحب درایت مخدومہ تھیں۔''

(امام السیوطی)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بہت سی روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، اپنے برادرانِ محترم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہیں۔

حصول علم کے سلسلہ میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہل بیت سے ملا ہوا ہے۔

11 محرم الحرام 61 ھ کی صبح کے مقتل گاہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اصحاب حسین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں فرمودہ اقوال وہ باتیں ہیں جو آج تک سند تسلیم کیے جاتے ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسد اطہر پر اس قسم کے الفاظ فرمائے:

''میری جان تم پر قربان! اے وہ کہ جس کی خیمہ گاہ کو روز دوشنبہ تاراج کیا گیا۔''

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اہل بیت کی اسیری کے سلسلے میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا جب اپنے ہمراہ دیگر اسیران کے ہمراہ کوفہ میں داخل ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے اہل کوفہ سے ملامت خیز باتیں کیں، اپنے خطاب میں انہیں اپنے مصائب و آلام کا ذمہ دار ٹھہرایا، ابھی آپ رضی اللہ عنہا کا خطاب جاری تھا کہ سید الساجدین رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کے خطاب کو قطع کرتے ہوئے فرمایا:

''پھوپھی اماں! بس کریں، الحمدللہ! آپ (رضی اللہ عنہا) وہ دانش مند ہستی ہیں جس کو تکلف مدرسہ و معلم کی ضرورت نہیں پڑی آپ (رضی اللہ عنہا) وہ معاملہ فہم ہستی ہیں کہ کسی نے فہم و ادراک کے ایسے اسباق حاصل نہیں کیے۔'' (مقتل الحسین رضی اللہ عنہ)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سیدہ زینب بنت بتول رضی اللہ عنہا کا شمار ان محترم و مقدس ہستیوں میں ہوتا ہے جو تدریس و تفسیر قرآن پاک کی اہل تھیں، روایات و اسناد تواریخ اس امر کی شاہد ہیں کہ دوران قیام کوفہ تفسیر قرآن پاک کی خاطر آپ رضی اللہ عنہا نے خواتین کے لیے درس قائم کر رکھا تھا۔

یہ واقعہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا ہے، جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نیک و سعادت مند صاحبزادی تفسیر قرآن میں مشغول و معروف ہیں۔

یہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا سے یہ کہا:

''تم قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتی ہو؟''

انہوں نے اقرار میں جواب دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مقام علم وفکر کی عظمت کا صرف دوشہروں کوفہ اور دمشق میں آپ رضی اللہ عنہا کی خطابت کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے، آپ رضی اللہ عنہا کے ان خطابات کے درجہ علمی و ادبی کا ان کے اختصار کے باوجود مقام یہ ہے کہ اگر سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کے علاوہ اور کوئی مواقع علمی اپنے بعد نہ چھوڑے ہوتے تب صرف یہ خطبات ہی آپ رضی اللہ عنہا کے علمی وادبی مقام کی بلندی کے اظہار کے لیے کافی ہوتے۔

یہ خطبات ان جلیل القدر پردہ نشین عورت کی زبان مبارک سے ادا ہوئے جو مصائب و آلام میں گھری ہوئی تھیں، اپنے عزیز ترین احباب کی شہادت وغم کا صدمہ جھیل رہی تھیں، اور اپنی عزیز از جان اور محبوب ترین ہستیوں کے سوگ و ماتم میں جن کا قلب دکھ سے بھرا اور رو رہا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ان خطبات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کس حد تک تفسیر و معارف قرآن پاک، تاریخ اسلام اور فقہ وادب پر کما حقہ عبور و دسترس رکھتی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے خطبات تمام عنادین پر آپ رضی اللہ عنہا کے عبور و دسترس کو عیاں وظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔

انشاء اللہ العزیز آئندہ باب میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خطبات کے کچھ نمونہ قارئین کے گوش گزار کریں گے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ یا کوفہ یا اس کے علاوہ کسی بھی دوسرے مقام

پر رہی ہوں، کسی بھی زمانے میں تبلیغ اور اقدار انسانیت کے بیان سے غافل نہ تھیں، آپ رضی اللہ عنہا نے ایک کثیر تعداد میں شاگردوں کی تربیت فرمائی، ان میں بعض وہ خواتین بھی شامل ہیں جن کے شوہر نظام حکمرانی وسیاست میں بلند مقامات پر فائز تھے، ان خواتین نے اپنے شوہروں کے اذہان وقلوب پر مثبت اثرات مرتب کیے، اوران کی ذہنی بردباری میں ممکن حدتک معاون رہیں۔

## معیارِ اخلاق

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے فضائل صرف مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی بیان کیے ہیں، اورانہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی شان وحیثیت کے سامنے اپنے تسلیم کے سرخم کیے ہیں، اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہا مظہر فضیلت وتقویٰ اور شجاعت و استقامت کی پیکر ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا عالم نسواں کے لیے اس صنف کی نمونہ کامل ہیں۔

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں صرف یہی ایک ہستی ہیں جو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کارنامہ میں برابر کی شریک ہیں، اپنے آپ رضی اللہ عنہا ہی کی ہمت واستقامت ہے کہ روز عاشور کے شہداحق کے ہمراہ میدان عمل میں اتر کران کے خون کواوراق تواریخ پر رقم وثبت کیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا مقام اخلاق میں اس منزل پر ہیں کہ اپنے ہمراہوں کی مشیر نظر آتی ہیں۔

علامہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار اور والدہ گرامی کے علاوہ مقام اخلاق میں کوئی خاتون ان کی نظیر نظر نہیں آتی، فطری پاکیزگی میں آپ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون دیکھی نہیں گئی، اور روحانیت ووجدان میں کوئی آپ رضی اللہ عنہا سے پاکیزہ نہ تھا۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بلاغت و زہد اور تدبیر و شجاعت میں اپنے عظیم والدین کے ہم پلہ تھیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کاروان اہل بیت کا تمام انتظام و انصرام آپ رضی اللہ عنہا ہی کی رائے و تدبر سے طے پاتا تھا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا ہی تمام متعلقہ امور کے انجام دینے پر قادر تھیں۔

ابن عتبہ رقمطراز ہے:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی لاتعداد صفات نیک، گرانقدر و پرشکوہ اوصاف اور پسندیدہ فضائل میں دیگر کی نسبت ممتاز تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے سعادت آفریں اخلاق و عادات نمایاں صفات اخلاقی اور بہ افتخار پاک و طاہر فضائل نے آپ رضی اللہ عنہا کو تمام لوگوں سے زیادہ صاحب امتیاز بنا دیا تھا۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو تصنع و ریا سے کوئی علاقہ نہ تھا، جو معیار اخلاق آپ رضی اللہ عنہا سے ظاہر ہوتا ہے، ان میں دنیا داری یا دکھلاوا نہ تھا، بلکہ آپ رضی اللہ عنہا منزل خلوص و اخلاق کی مالکہ تھیں، آپ رضی اللہ عنہا جو عمل بھی انجام دیتیں وہ قبولیت پروردگار کی خاطر ہوتا، کسی کام میں دوروئی و نفاق کا شائبہ تک نہ ہوتا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے تمام اعمال، نصب العین حیات اور جملہ خطبات میں ایک جذبہ دروں موجزن تھا، جو کچھ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اخلاص عمل کے زیر اثر خدا کی راہ میں نثار کر دیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے کمال علم و اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا، اور اپنے والدین مکرمین کی سیرت پر عمل کر کے بلند درجات پر فائز ہوئیں، ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آخر ان رضی اللہ عنہا کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے خطاب ''اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم'' کا مصداق تھے، پھر اسی دامن رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے تربیت و پرورش پائی، محدث کی نگاہ میں سیدہ زینب بنت بتول رضی اللہ عنہا کا شمار صف صحابہ رسول میں ہوتا ہے۔ (اسد الغابہ، ج:5)

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے بزرگی و عظمت اپنے والد گرامی شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وراثت میں پائی، اور آپ رضی اللہ عنہا اوجِ کمال تک جا پہنچیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ رضی اللہ عنہا کے کردار و گفتار کو شرف قبولیت بخشا اور انہیں صفات بشریت کی تاریخ میں حیات جاودانی عطا فرمائی۔

چشم تصور سے دیکھیں کہ ایک ایسی خاتون جو صاحب اولاد ہو، اپنے گھر میں خود مختار، تمام امور خانہ داری میں باختیار، امور معیشت میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہو، زندگی نعم و ناز سے بسر ہو رہی ہو، کنیزیں اور غلام خدمت عالیہ میں ہمہ وقت تیار و مستعد ہوں اور وہ ان تمام آسائشات کو ترک کر کے ایسا راستہ منتخب کر لے جس میں ترک وطن، بھوک، پیاس اور ظلم و ستم سے واسطہ پڑ جائے، آخر یہ سب کیونکر اور کس لیے چنے گی، کیا یہ سب کچھ خود اپنی شہرت و عزت افزائی کی خاطر ممکن ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، وہ تو ایک مشن کو لے کر آگے بڑھی تھیں۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے وقار و شکوہ کا یہ درس اپنی والدہ محترمہ سے لیا، صبر و استقلال اپنے برادر بزرگ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے سیکھے، اور درس شجاعت و جرأت اپنے دوسرے برادر بزرگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا معیار فکر اپنے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور مادر محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بدولت خاندانی و نسلی فکر معیار تھا، بصیرت و بیش بینی کے لیے بھی وہی پھوٹتے چشمے ہیں۔ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی تمام زندگی ایسے محترم و مقدس اور عالی نسب بزرگوں کے زیر سایہ گزری جو ہر خطا سے محفوظ تھے، اور یہی ان کے مقام و منزل احترام کا سبب ہے، کیونکہ ہمہ وقت نشست و

برخاست ایسے بزرگوں کے ہی ساتھ رہی، اس لیے یہ فطری بات ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا اسی قسم کی عادات اور راہ ورسم کی عادی ہوئیں۔

یہ ایک ناقابل اعتبار حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنے وجود کی پاکیزہ صفات اور کمالات کی اثر آفرینی سے معاشرہ کے دیگر افراد کو بہرہ اندوز کرتا ہے، فرد کی شخصی خصوصیات معاشرہ کی اجتماعی حیثیت پر اثر اندوز ہوتی ہیں، اور کسی کے کمالات کے دائرہ تاثیر کی وسعت دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، انہیں اپنے معیار میں مقید کر لیتی ہے، پھر اظہار عظمت کے لیے الفاظ کا سہارا لینے اور عبادات کا مرہون منت ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ اس کی عظمتوں اور رفعتوں کی نورانی تاثیر سے کائنات انسانی روشن ومنور نظر آتی ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ بنت بتول رضی اللہ عنہا کی پاکیزہ صفات اور کمالات وجود کی اثر آفرینی تاریخ کی ان مقدس ہستیوں میں سے ہے جن کے لیے کسی دلیل و برہان کی چنداں ضرورت نہیں، اور وہ اپنی عظمتوں اور رفعتوں سے عالم بشریت کو روشن کیے ہوئے ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حیات مطہرہ کے جس بھی پہلو جس بھی گوشہ پر نگاہ ڈالیں، ان کی اثر انگیزی کا احساس مجسم نظر آتا ہے، ان کی فردی خصوصیات پر نگاہ ڈالیں یا معاشرتی عظمتوں کو دیکھیں، گھریلو اطوار پر نگاہ کریں یا اجتماعیت کا جائزہ لیں، ایک بیٹی ہونے کی حیثیت سے ان کے مراحل تربیت کا ذکر کریں، یا پھر ایک ماں ہونے کے عنوان کے پیش نظر ان کی تدبیر و تدبر کو بیان کریں، ایک بہن ہونے کے حوالے سے اپنے محترم و مقدس بھائیوں سے محبت وعقیدت اور انسیت کے پہلوؤں کا جائزہ لیں، یا پھر ایک شریک مقصد ہونے کی بابت ان کے عظیم کارناموں پر نگاہ ڈالیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر ہونے کی وجہ سے ان کی وقعتِ وجود پر نگاہ کریں یا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی امیدوں کا سہارا سمجھتے ہوئے ان کے کمال عمل کو دیکھیں، حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کی شریک حیات ہونے کی روشنی میں ان کی حیات مطہرہ کا جائزہ لیں، یا صنف نسواں کی فکری تربیت کی ذمہ دار شخصیت سمجھتے ہوئے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی عظمتوں کا ذکر کریں، بالآخر کربلا کی شیر دل خاتون سمجھتے ہوئے ان کی حیات مطہرہ کا مطالعہ کریں، یا کوفہ و شام کی اسیر تصور کرتے ہوئے ان کے حالات پر غور و فکر کریں، ہر پہلو میں کمال و عظمت آئینہ دار نظر آتی ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خواتین کی علمی و عملی تربیت کے لیے ایک پاکیزہ محفل درس قائم کی، جس میں آپ رضی اللہ عنہا خواتین کو قرآن کے حقائق سے آگاہ و روشناس کراتیں، اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مطلع کرتیں۔ (زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا، ص: 53)

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ذی قدر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے بھائیوں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے سماعت کیے ہوئے پاکیزہ علمی حقائق اور احادیث مبارکہ و روایات کو لوگوں کے گوش گزار کیا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے علمی جواہر پاروں کو بھی کثیر تعداد تک لوگوں تک پہنچایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے روایات بیان کی ہیں،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں یوں کہا:

''ہماری عقیلہ زینب (رضی اللہ عنہا) نے یوں فرمایا:''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب ہمیں کوفہ سے شام تک دشوار گزار راستے عبور کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس سفر مصائب میں میری پھوپھی حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے اپنی واجب نمازیں کھڑے ہو کر اور بعض مقامات پر بیٹھ کر ادا کیں، اور میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:''

''تین دن کی مسلسل بھوک پیاس اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے میں نے بعض مقامات پر نمازیں بیٹھ کر ادا کی ہیں۔''

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا شب کو باقاعدگی سے تہجد کی نماز ادا کرتیں اور قرآن مجید کی تلاوت آپ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کی مصیبت بھری راتوں یعنی دسویں اور گیارہویں محرم کی راتوں میں بھی اپنے اس معمول میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میری پھوپھی حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے ان تمام تکالیف کے دوران جو شام کے خوفناک سفر میں ہمیں پیش آئیں، کبھی رات کے نوافل اور مستحب نمازوں کو ترک نہ کیا۔''

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شب عاشورا اپنے اہل خانہ سے وداع کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''میری پیاری بہن! رات کے نوافل میں مجھے فراموش نہ کرنا۔''

یحییٰ مازنی نے بیان کیا ہے:

''میں عرصہ دراز تک امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں رہا، اور میرا گھر اس گھر کے بہت قریب تھا، جس میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رہتی تھیں، مجھے قسم ہے اس ذات ذوالجلال کی جس نے مجھے

پیدا کیا، میں نے ان محترمہ کو نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی ان کی آواز سنی، اور جب کبھی وہ پردہ نشین عورت اپنے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم اطہر کی زیارت کے لیے جانا چاہتیں تو شب کی تاریکی میں گھر سے باہر نکلتیں، جبکہ امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ ان کے دائیں بائیں ہوتے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آگے آگے چلتے ہوئے حرم مطہر تک پہنچتے، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر حرم میں جلتے ہوئے چراغوں کو ڈھانپ دیتے تھے۔''

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے کا سبب دریافت کیا تو عصمت طہارت کی پروردہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مقام حیا و ادب کا اظہار کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:''

''میں ایسا اس لیے کرتا ہوں تاکہ کوئی شخص تیری بہن کے بدن کو دیکھنے نہ پائے، اور ان کا جسم نامحرم کی نظروں سے محفوظ رہے۔''

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا فہم و ذکاوت کی ایسی خداداد صلاحیت رکھتی تھیں۔

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر میں آئیں تو اللہ رب العزت نے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے وجود مسعود کی برکت سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا، اور انہیں رزق وسیع، اولاد صالح اور سکون و اطمینان کی بے شمار نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ ان کا گھر فقرا اور مساکین کے لیے ایک عظیم سہارا بن گیا، اور ان کی اراضی سرسبز و شاداب ہونے کے ساتھ ساتھ پھلوں اور میوؤں سے لد گئی، یہ سب اس پاک دامن محترمہ کے مقام و تقدس اور وجود مبارک کا اثر تھا۔

## مقام صبر و رضا

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عظمت آپ رضی اللہ عنہا کے جذبہ صبر و رضا سے بہت اچھی ثابت ہے، آپ رضی اللہ عنہا کا صبر وہ صبر نہیں، جس کے اختیار کرنے کے لیے ہر زبوں حال و پریشان آدمی مجبور ہوتا ہے، اور جسے مصائب اور تکالیف کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا، آپ رضی اللہ عنہا کا صبر فعال اور ہدف سوچا سمجھا ہوا اصولی اور ایسا صبر ہے کہ اگر دنیا بھر کے ارباب سیاست اس معیار کو اختیار کرنا چاہیں تو مجبور وضع دکھائی دینے لگیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس ہستی کی مالکہ ہیں، جو اپنے پورے وجود عزم کے ساتھ جب دشمن کے ظلم وطوفان کے مقابل کھڑی ہوئیں تو اس قدر بلند قامت نظر آئیں اور ایسی استقامت کا اظہار کیا کہ تاریخ انسانیت آپ رضی اللہ عنہا کے سامنے حیرت زدہ رہ گئی، یہ ایسا واقعہ واصلیت ہے جس کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں۔

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل، متانت، بردباری اپنی مثال آپ تھیں، مصائب و آلام کے مقابلہ میں آپ رضی اللہ عنہا کا متحمل فولاد کی طرح مضبوط اور آپ رضی اللہ عنہا کا وقار وحوصلہ ایک کوہ گراں کی طرح مستحکم نظر آتا ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایسے دشمنوں کا سامنا تھا، جو قاتل حسین تھے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں تاریخ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حلیمہ و بردبار خاتون تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہا صبر و رضا کے مقام پر بے نظیر اور ممتاز حیثیت کی مالکہ ہیں، مقام صبر، جہاد، استقامت کے مواقع اور طوفان مصائب میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس قدر استوار و ثابت قدم تھیں، جس طرح تیز آندھی کے مقابلہ میں مضبوط کوہ گراں ہوتا ہے، مصائب و آلام کو رضائے الٰہی کی خاطر برداشت کرتیں، اور تمام دشواریوں کو راہ خدا میں جہاد جان کر اعلائے کلمۃ اللہ قرار دیتیں۔

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے صبر و رضا کی انتہا یہ ہے کہ اگر یہ مصائب کسی پہاڑ پر وارد ہوتے تو وہ پاش پاش ہو جاتا، لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کیفیت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے پائے استقلال میں کہیں لغزش نظر نہیں آئی، آپ رضی اللہ عنہا اپنی حیات مقدسہ میں ایام بچپن ہی سے ایسے حساس مراحل سے گزریں، جن کی عظمت دنیا بھر کو واقعہ کربلا میں روز عاشور نمایاں و ظاہر نظر آتی ہے۔

جس شخص نے بھی واقعات روز عاشور کا مطالعہ کیا ہے، وہاں دو نمایاں صورتیں نظر آئیں گی، ایک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسری سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی، دنیا محو حیرت ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسے مصائب غم ناک سے گزرے، جس میں تیر و نیزہ اور شمشیر کے زخموں سے چور ہو، پیاس کا بے حد غلبہ ہو، خاک و خون میں غلطاں ہو، پھر ان کے دہن سے یہ نکلے:

''اے اللہ! میں تیری رضا پر راضی ہوں۔''

عالم انسانیت انگشت بدنداں ہے کہ ایسی خاتون کا وجود کیسے ممکن ہوا، جو ان تمام مصائب و آلام کا مشاہدہ کرتی ہے، اور دورانِ اسیری اپنی ذات کے بارے میں کوئی حرف شکایت کسی موقع پر نہیں لاتیں، جس کی تمام گفتگو اس کے ہدف و مقصد کے عین مطابق ہوتی ہے، اور کسی موقعہ پر عجز و ضعف، کمزوری و کوتاہی کا اظہار نہیں ہوتا۔

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے اپنے برادر بزرگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبوب و محترم ہستی دنیا میں نہیں، حتیٰ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تصور مرگ بھی ذہن میں در نہیں آتا، جب آپ رضی اللہ عنہا نے شب عاشور دنیا کی بے وفائی کے سلسلہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اشعار سنے تو بے تاب و بے چین ہو گئیں، اور دعا کرنے لگیں:

''میں خود مرگ حسین (رضی اللہ عنہ) کو نہ دیکھوں۔''

یہ وہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہے، جب نانا کے دین کی حیات کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو اس کی حفاظت کے لیے صبر و رضا کو بنیاد بناتی ہیں، مقتل گاہ میں تشریف لاتی ہیں، پتھروں، ٹوٹی ہوئی تلواروں کے ٹکڑوں اور بکھرے ہوئے نیزوں کے درمیان عزیز از جاں بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسد نازنین کو تلاش کرتی ہیں، محترم بھائی کی سر بریدہ لاش کے قریب نہایت ادب و احترام کے ساتھ دوزانو بیٹھتی ہیں، اپنے دونوں ہاتھ اس جسد بے سر کے نیچے گزار کر اٹھاتی ہیں، اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس طرح مناجات پیش کرتی ہیں:

''اے اللہ! ہماری اس قربانی کو قبول فرما۔''

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اے اللہ! اپنی عظمت کے مقابلہ میں ہماری اس قلیل قربانی کو قبول فرما۔''

اس طرز عمل میں کس قدر عظمت پوشیدہ ہے، اور اس عمل سے بارگاہ الٰہی میں آپ رضی اللہ عنہا کے خشوع و خضوع کا کس قدر عظیم معیار دکھائی دیتا ہے، دشمن اپنی رذیل کیفیت پر قائم ہے، لیکن سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا اس تمام معرکہ دار و گیر کو عنوان تقدیر کے پیرایہ سے دیکھتی ہیں، اور اللہ رب العزت کے سامنے راز و نیاز بندگی کو جو تسلیم و رضا کا حقیقی مقام ہے، اپنا سر جھکا دیتی ہیں، اور اس پر صابر و شاکر رہتی ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جس روز سید الشہدا سردار جنت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کا آغاز کیا، انہیں اس روز سے ادراک تھا کہ اس پر خطر سفر میں کیسے توہین آمیز اور صبر آزما واقعات سے گزرنا ہوگا، اور کیسے کیسے مصائب و آلام کے

راستے عبور کرنا ہوں گے، آپ رضی اللہ عنہا نے سب دل و جان سے قبول کیا اور محوِ سفر رہیں، آپ رضی اللہ عنہا نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے اللہ رب العزت کی رضا سمجھ کر قبول کیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا بھی فہم و ادراک تھا کہ دشمن سے احتجاج کا نتیجہ درے کھانا، بھوکا پیاسا رہنا، عزیز و اقارب اور کمسن بچوں کی آہ و زاری کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور برداشت کرنا ہوگا، دل خون اگلے تھا مگر یہ سب سہنا ہوگا، تسلیم و رضا کے آگے سر جھکانا ہوگا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہمت و صبر کا کوہ گراں تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کم حوصلہ و طاقت کی مالکہ نہ تھیں کہ دشمن کے آگے سپر ڈال دیتیں، میدان چھوڑ جاتیں، اپنے احساسات کے تحت نالاں نہ ہوئیں، بے حد و حساب شور و فریاد نہ کیا، بدقسمتی پر نالاں نہ ہوئیں، آپ رضی اللہ عنہا نے ان اعصاب شکن حالات کا بڑی بردباری اور صبر و تحمل سے مقابلہ کیا، آپ رضی اللہ عنہا نے آثار غم پریشانی کو اپنے چہرہ سے عیاں نہ ہونے دیا، یہ سب اس لیے تھا کہ کہیں بچے اور اسیر خواتین دل نہ ہار دیں، بے قرار نہ ہو جائیں۔

ذرا تصور کی آنکھ کھولیے، دیکھیے، معرکہ کربلا شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صورت میں اختتام پذیر ہو چکا ہے، خیموں کے تاراج ہونے کے مرحلہ سے بھی اولاد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گزر چکی ہے، خیمے جل چکے ہیں، کچھ خیمے آگ کی لپٹوں میں چھپ رہے ہیں۔

وہ رات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے غم و پریشانی کی رات تھی، بڑی ہی خوفناک اور مصیبت زدہ رات، غم والم کی ان ہولناک اور وحشت انگیز گھڑیوں میں صحرائے کربلا میں بکھری ہوئی لاشیں، اللہ رب العزت کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو تڑپا رہی تھیں، حزن و کرب کی اس خوفناک اور وحشت انگیز رات میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا امتحانِ صبر انتہائی مشکل صورت میں ڈھل چکا تھا، لیکن غم والم کی شدت اور خوف و

وحشت کے عالم میں بنت بتول سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے استقامت و پائیداری اور صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا، دنیا میں ایک عظیم مثال قائم کر دی، اور مصائب و آلام کی تند و تیز آندھیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں۔

جلتے ہوئے خیموں سے کمسن بچوں کو نکالنے اور بے سہارا بیبیوں کو بیابان کربلا میں تسلیاں دے کر صبر کی تلقین کرنے میں سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا عمل بے مثال ہے، آگ کے شعلوں اور صحرا میں پھیلی ہوئی تاریکی نے یتیم بچوں کے دل گرا دیے تھے۔

اگر چہ دن بھر کی مصیبتوں اور شدت آلام نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سکون و قرار لے لیا تھا، مگر آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بے گناہ خون کا مقدس پیغام، اطراف و اکناف عالم میں پہنچانا بھی انہی کے ذمہ تھا، چنانچہ عقیلہ بنی ہاشم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا شب بھر بیدار رہیں تاکہ اسلام کی عظمت کے تحفظ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور اہل بیت رسول کی بے سہارا بیبیوں کی ڈھارس بن سکیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے صبر و استقامت، عزم و استقلال اور بارگاہ الٰہی میں اخلاص بندگی کے مطابق عبادت الٰہی کو انجام دیا، اور اللہ رب العزت سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگیں، البتہ کئی دنوں کی تھکاوٹ اور کئی راتوں کی بیداری نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نڈھال کر دیا تھا، جس کی وجہ سے اس رات کو نماز شب بیٹھ کر ادا کی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اللہ رب العزت کی طرف سے فطری ودیعت شدہ کمالات جن کا تعلق آپ رضی اللہ عنہا کے صبر و رضا سے ہے، وہ اپنے مقام پر مسلم ہیں، ان کیفیات کے علاوہ دوسری چیز آپ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، برادران عالی وقار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت

امام حسین رضی اللہ عنہ سے حاصل شدہ تربیت ہی اسباق کے اثرات ہیں۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قیام ولایت سے پیوستگی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات اور دورِ شہادت و قربانی کے زمانہ میں سیدہ زینب بنت بتول رضی اللہ عنہا کے حاصل کردہ مقام صبر بہت زیادہ اہمیت اور آپ رضی اللہ عنہا کے طرزِ عمل میں بنیادی کیفیت کے حامل ہیں۔

10 محرم الحرام 61ھ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے وداعِ آخر کے وقت فرمایا:

"ابتلاء و مصائب پر صبر کا دامن تھامے رکھنا، جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا، آپ (رضی اللہ عنہا) کا انجام خیر پر ہے، تمہارے دشمن طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، اپنے لبوں پر حرفِ شکایت نہ لانا، کیونکہ اس سے تمہاری شان و منزلت میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔"

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے صبر و وقار، شجاعت و جرأت اور روح کی بالیدگی کے ساتھ اپنے فرائض تبلیغ کی ابتداء کی، اور خون شہدائے راہِ خدا میں مضمر پیغام دین کو اختتام تک پہنچایا، آپ رضی اللہ عنہا نے ہر طرح کا ظلم و جبر خندہ پیشانی سے برداشت کیا، لیکن رضائے الٰہی کے خلاف ایک لفظ بھی زباں پر نہ آنے دیا۔

۞

# واقعہ کربلا کا پسِ منظر

10 محرم الحرام 61ھ کی شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادہ پر انتہائی بھاری اور دشوار گزار تھی، دشمن 9 محرم الحرام کے غروب سے قبل ہی مزید کمک آ جانے سے مستحکم و مضبوط ہو چکا تھا، اور اپنا آخری وار کرنے کے لیے تیار تھا، اس نے اپنی پوری منصوبہ بندی کر رکھی تھی، قتال کے لیے بالکل آمادہ و تیار تھا۔

دشمن نے صف بندی کی، پھر دشمن کی سپاہ نے سوار ہو کر برق رفتاری سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیموں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جب دشمن کی فوج کا شور سنا تو جلدی سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیمے میں پہنچیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو دشمن کے حملے سے آگاہ کیا، یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلوا کر فرمایا:

"آگے جا کر معلوم کرو فوج کی یہ حرکت کیا معنی رکھتی ہے؟"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حکم پا کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حالات و واقعات کی آگاہی کے لیے روانہ ہوئے، انہوں نے آگے بڑھ کر تمام حالات کا بہ نظر غور جائزہ لیا پھر واپس آ کر اطلاع دی:

دشمن بڑی عجلت میں آج ہی اپنا کام مکمل کرنا چاہتا ہے، اس مقصد کے لیے دشمن کی فوج پیش قدمی کر رہی ہے۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں دوبارہ روانہ کیا کہ ان سے ایک رات کی مہلت طلب کریں، پہلے تو دشمن نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا، پھر اپنے بعض ساتھیوں کے کہنے پر مصلحت اسی میں جانی کہ ایک رات کی مہلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ بات اب عیاں ہو چکی تھی کہ دشمن صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کر کے انہیں شہید کرنا چاہتا ہے، اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہے، یہ بڑی ہی عجب بات تھی کہ دشمن اس بات کا پختہ عزم کر چکا تھا کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو ہر حال میں قتل کر کے رہے گا۔

واقعہ کربلا کی ابتداء دراصل 56 ھ بمطابق 676ء میں ہو چکی تھی، جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابو خالد یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کو والی عہد نامزد کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے ولی عہد نامزد کرنے پر مطمئن کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اکثر مورخین کا بیان ہے:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل یزید کو ہدایت کی تھی کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے اپنی بیعت پر اصرار نہ کرے۔" (سیرت طیبہ، پنجتن پاک، ص: 506)

یزید نے 60 ھ میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، یزید نے ملوکیت کے اعلان کے ساتھ ہی مدینہ منورہ میں ایک مختصر حکم نامہ بھیجا، جس میں اپنے والد کی وفات کے ذکر کے علاوہ گورنر مدینہ کو ہدایت کی گئی تھی۔

"حسین (رضی اللہ عنہ) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) سے ہر طرح سے بیعت لی جائے، اور اس معاملے میں اس قدر سختی کی

جائے کہ یہ لوگ بیعت پر مجبور ہو جائیں۔''

(تاریخ الرسل والملوک ج:6،ص:188، الکامل ج:3،ص:263)

مرتضیٰ حسن فاضل نے الطبری، ابن الاثیر، ابو حنیفہ الدینوری اور محمد بن سعید کے حوالے سے اپنی تحقیق میں لکھا ہے:

''ولید بن عتبہ بن ابی سفیان مدینہ کا گورنر تھا، اس نے قاصد بھیجا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قاصد کا مطلب سمجھ گئے، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ وموالی کو طلب فرمایا اور انہیں مسلح ہو کر چلنے کا حکم دیا اور فرمایا:''

''مجھے ولید نے ابھی ابھی طلب کیا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ کوئی ایسا مطالبہ کرنے والا ہے، جسے میں منظور نہ کر سکوں گا، لہٰذا تم لوگ دروازے پر ٹھہر جانا، اگر اثنائے گفتگو میری آواز بلند ہو تو اندر آ جانا اور ولید کو روکنا۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے، وہاں ولید بن عتبہ کے برابر سابق والی مدینہ مروان بن حکم بھی موجود تھا جو اب ولید بن عتبہ کے مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اتحاد و اتفاق بہ نسبت نزع و اختلاف کے بہتر ہے، خدا تم دونوں کے تعلقات کو خوشگوار بنائے۔''

اس کا کوئی جواب نہ ملا اور آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، ولید بن عتبہ نے یزید کے خط کا مضمون سنایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''انا للہ و انا الیہ راجعون، خدا تم لوگوں کو اس مصیبت میں صبر

عطا کرے، رہی بیعت تو شاید تم میرے ایسے شخص کی مخفی بیعت کو کافی نہ سمجھو، لہٰذا جب مجمع عام میں یہ مسئلہ رکھو گے تو مجھ سے مطالبہ کرنا۔"

ولید بن عتبہ نے کہا:

"درست ہے، درست ہے۔"

مروان بن حکم نے بات کاٹی اور کہا:

"ولید کیا غضب کرتے ہو، اگر حسین (رضی اللہ عنہ) اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل گئے، اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقع نہ مل سکے گا، جب تک فریقین کے بہت سے لوگ قتل نہ ہوں، بہتر یہی ہے کہ انہیں گرفتار کر لو اور یہ تمہارے گھر سے جانے نہ پائیں، جب تک بیعت نہ کرلیں یا قتل نہ کر دیے جائیں۔"

یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ غضب میں آ گئے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، ج:8، ص:326)

ولید بن عتبہ نے مروان بن حکم کی بات کو قابل عمل نہ سمجھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دے دی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے چلے گئے۔

ولید بن عتبہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ ملاقات 27 رجب المرجب 60ھ کو ہوئی، اس سے اگلے روز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی راہ لی، آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند، بھتیجے اور دیگر اہل بیت تھے۔ دریں اثناء محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بعض اقدامات کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں غور سے سنیں اور بھائی کو خدا حافظ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

مکہ مکرمہ روانہ ہونے سے قبل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے بعد عام راستے سے ہٹ سفر اختیار کیا، اور 4 شعبان 60 ھ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ (سیرت پنجتن پاک، ص:507-508)

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''مکہ معظّمہ میں آپ (رضی اللہ عنہ) نے شعب علی میں قیام فرمایا۔''

(اخبار الطوال، ص: 229)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلے سے ہی مکہ مکرمہ میں موجود تھے، اہل مکہ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر ملی تو وہ جوق در جوق ملاقاتوں کے لیے آنے لگے۔

محمد بن مفید کا کہنا ہے:

''ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) کو امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی آمد کچھ گراں گزری کیونکہ انہیں یقین تھا کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی موجودگی میں کوئی شخص ان کی بیعت نہیں کرے گا، اور سب لوگ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کو ترجیح دیں گے۔''

(الارشاد، ص: 184)

یہ تو مورخین کا خیال ہے، ورنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی ایک دوسرے سے بغض نہیں رکھ سکتے، وہ ایک دوسرے کے لیے نرم ہیں، اور کفار کے لیے لوہے کی طرح سخت، اگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا آنا ناگوار گزرتا تو وہ بعد میں ان کی بیعت پر اصرار نہ کرتے، یہ محض من گھڑت باتیں ہیں۔

مورخین کا بیان ہے:

''ادھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ میں موجود تھے، ادھر عراق میں یزید کی حکومت کے خلاف بددلی پھیل چکی تھی، یہ صورت حال اہل کوفہ کے لیے تکلیف دہ اور پریشان کن تھی، انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بذریعہ خطوط رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دی۔''

الکلبی اور المدائنی کے حوالے سے شیخ مفید نے صراحت کی ہے:

''امام حسین رضی اللہ عنہ سے اہل عراق کا رابطہ بذریعہ مراسلت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ہی میں ہو گیا تھا، مگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس عہد نامہ کی مدت تک خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔'' (الارشاد، ص:200)

اب اہل کوفہ کا مطالبہ اور وقت کی نزاکت کا تقاضہ کچھ اور تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو عراق روانہ کیا۔

اب ہم ایک بار پھر اس سے پہلے کے واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اہل شام نے تو بلا تامل بطیّب خاطر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی، دوسرے دن صوبے کے لوگوں نے بھی عمال کے ذریعے بیعت کی، اور رعب سلطنت کے مقابلے میں انکار کی جرأت نہ کر سکے۔

یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی صوبوں اور ولایتوں کے عاملوں کو لکھا:

''لوگو سے میرے نام پر بیعت لو۔''

اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے والی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اور کوفہ کے والی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، دونوں عامل نیک طبیعت اور صلح جو انسان تھے، ان دونوں کے مزاج میں سختی اور درشتی دیگر عاملوں کے مقابلے میں بالکل نہ تھی۔

جب یزید کا حکم نامہ مدینہ منورہ میں ولید بن عتبہ کے پاس پہنچا، ولید بن عتبہ نے اکابرین مدینہ کو جمع کر کے خط پڑھ کر سنایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا سن کر اظہار افسوس کیا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی، اور ولید بن عتبہ سے کہا:

''ابھی میری بیعت کے لیے جلدی نہ کیجیے، میں سوچ کر فیصلہ کروں گا۔''

مروان بن حکم جو پہلے مدینہ منورہ کا عامل تھا اور اب ولید بن عتبہ کی ماتحتی میں

بطور مشیر موجود تھا، اس نے ولید بن عتبہ کو ترغیب دی:

''امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے اسی وقت بیعت لی جائے، اور ان کو جانے نہ دیا جائے۔''

ولید بن عتبہ نے مروان بن حکم کا مشورہ قبول نہ کیا، اور ان کی بیعت کو اگلے دن پر ملتوی رکھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے پاس نہیں آئے تھے، ان کو بلوایا گیا، انہوں نے آنے سے انکار کیا اور ایک شب کی مہلت طلب کی، ان کو بھی ولید بن عتبہ نے مہلت دی، رات کو موقع پا کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ معہ اہل و عیال مدینہ منورہ سے نکل گئے، اور مدینہ منورہ کے معروف راستہ کو چھوڑ کر کسی غیر معروف راستہ سے روانہ ہوئے، اگلے روز ان کی گرفتاری کے لیے مروان بن حکم اور ولید بن عتبہ تیس آدمیوں کا دستہ لے کر نکلے مگر کہیں سراغ نہ ملا، شام کو واپس آ گئے، یہ تمام دن چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تجسس میں گزرا، لہٰذا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف کوئی توجہ نہ ہو سکی۔

اس دوسری شب میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ سے معہ اہل و عیال روانہ ہو گئے، صبح ان کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو ولید بن عتبہ نے کہا:

''میں امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا تعاقب نہیں کروں گا، ممکن ہے کہ وہ مقابلہ کریں اور مجھ کو ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پڑیں، جو مجھے کسی طرح بھی گوارہ نہیں۔''

ولید بن عتبہ نے ان دونوں اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روانگی کے بعد اہل مدینہ سے خلافت یزید کی بیعت لی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خطرہ ہی نہ تھا کیونکہ انہوں نے کبھی خلافت کی خواہش ہی نہیں کی اور پھر یزید نے بھی لکھ دیا تھا:

''اگر عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) بیعت نہ کریں تو ان سے تعرض نہ

کیا جائے۔"

لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چند روز کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف چلے گئے۔

ادھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ سے چلے جانے اور اہل مدینہ کے بیعت کر لینے کی کیفیت مروان بن حکم نے یزید کے پاس لکھ بھیجی، یزید نے فوراً ولید بن عتبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عمرو بن سعد بن العاص کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا، عمرو بن سعد نے مدینہ منورہ کی حکومت سنبھالی اور ولید بن عتبہ مدینہ منورہ سے یزید کے پاس چلے گئے۔

اہل کوفہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خط و کتابت رکھتے تھے اور بار بار انہیں لکھا:

"آپ (رضی اللہ عنہ) کوفہ چلے آئیں، ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔"

اہل کوفہ کی ان خفیہ کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی واقف تھے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی عادت کا نہایت صحیح اندازہ رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے آخری وقت میں اپنے برادر خورد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی:

"تمہیں کوفہ والوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔"

ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو بتا گئے تھے:

"کوفہ والے امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو ضرور خروج پر آمادہ کر لیں گے، اگر ایسی ضرورت پیش آئے اور تم امام حسین رضی اللہ عنہ پر قابو پاؤ تو ان کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرنا۔" (سیرت پنجتن پاک، ص:513)

انہی ایام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اس مضمون کا ایک مکتوب آیا:

"ہم آپ (رضی اللہ عنہ) اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے والد بزرگوار کے شیدائی اور بنو امیہ کے دشمن ہیں، ہم نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے والد ماجد کی حمایت میں طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) سے جنگ کی، ہم نے میدان صفین میں ہنگامہ کارزار گرم کیا، اور شامیوں کے دانت کھٹے کر دیے، اب ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مل کر بھی جنگ کو تیار ہیں، آپ (رضی اللہ عنہ) اس خط کو دیکھتے ہی کوفہ کی طرف روانہ ہو جائیں، یہاں آیئے تا کہ ہم نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر کے کوفہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دیں، کوفہ و عراق میں ایک لاکھ سپاہ موجود ہیں، وہ سب کے سب آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کو حق دار خلافت تسلیم کرتے ہیں، یزید تو کسی طرح بھی آپ (رضی اللہ عنہ) کے مقابلے میں خلافت کا حق نہیں رکھتا، یہ موقع ہے دیر نہ کیجئے، ہم یزید کو قتل کر کے آپ (رضی اللہ عنہ) کو تمام عالم اسلام کا تنہا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے یزید کے عامل نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنی بھی ترک کر دی ہے، کیونکہ ہم امامت کا حق دار آپ (رضی اللہ عنہ) کو اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے نائبین کو سمجھتے ہیں۔"

## تاریخ کربلا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے روانگی کی تیاری کی، جب سامان سفر درست ہو گیا، اور مکہ مکرمہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کوفہ جانے والے ہیں، تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت و ہمدردی رکھنے والوں نے آ آ کر ان کو اس ارادے سے منع کرنا چاہا اور سمجھانا چاہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) کا کوفہ جانا خطرہ سے خالی نہیں۔''

اول حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) کوفہ کا عزم ترک کر دیں، کیونکہ وہاں عبیداللہ بن زیاد حاکم عراق موجود ہے، کوفہ والے لالچی لوگ ہیں، بہت ممکن ہے کہ جن لوگوں نے بلایا ہے وہی آپ (رضی اللہ عنہ) کے خلاف لڑنے کے لیے میدان میں نکلیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) بیعت لینے اور امارت حاصل کرنے کے لیے باہر نہ جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے دنیا و آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کی آزادی دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو اختیار کیا، آپ (رضی اللہ عنہ) بھی خاندان نبوت میں سے ہیں، دنیا کی طلب نہ کریں، اپنے دامن کو دنیا کی آلائش سے آلودہ نہ ہونے دیں۔''

یہ نصیحت کر کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی رو دیے، مگر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا، مجبوراً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رخصت ہو کر چلے گئے، پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مکہ نہ چھوڑیں اور بیت اللہ سے دوری اختیار نہ کریں، آپ (رضی اللہ عنہ) کے والد محترم نے مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو ترجیح دی تھی، مگر آپ (رضی اللہ عنہ) نے دیکھا کہ ان کے ساتھ اہل کوفہ نے کس قسم کا سلوک کیا، یہاں تک کہ ان کو شہید ہی کر ڈالا، آپ (رضی اللہ عنہ) کے بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) کو بھی کوفیوں نے لوٹا، قتل کرنا چاہا، آخر زہر دے

کر مار ہی ڈالا، اب آپ (رضی اللہ عنہ) کو ان پر ہرگز اعتبار نہیں کرنا چاہیے، نہ ان کی بیعت پر ہر قسم کا بھروسہ ہے، نہ ان کے خطوط اور پیغامات قابل اعتبار ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) جو کچھ فرماتے ہیں سب درست ہے، لیکن مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کا خط آ گیا ہے، بارہ ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، اور اس سے پہلے شرفا کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط میرے پاس آ چکے ہیں، اب کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، میرا وہاں جانا ہی مناسب ہے۔''

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب سن کر فرمایا:

''اچھا کم از کم اس ذوالحجہ کے مہینے کو ختم اور نئے سال کو شروع ہو لینے دیں، پھر عزم سفر کریں اب حج کے دن آ گئے ہیں، سارے جہاں کے لوگ دور دور سے مکہ آ رہے ہیں، اور آپ (رضی اللہ عنہ) مکہ چھوڑ کر باہر جا رہے ہیں، مناسب یہ ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) بھی حج میں شریک ہوں اور لوگوں کو حج سے فارغ ہو کر واپس ہو لینے دیں، پھر اگر آپ (رضی اللہ عنہ) ضروری سمجھتے ہیں تو روانہ ہو جائیں۔'' (تاریخ اسلام، ج:2، ص:68)

اسی طرح بہت سے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع کیا، آپ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے خط بھیجا:

میں آپ (رضی اللہ عنہ) کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنا ارادہ

ملتوی کر دیں، کیونکہ اس راہ میں آپ (رضی اللہ عنہ) کے لیے ہلاکت اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے اہل بیت کے لیے بربادی ہے، اگر آپ (رضی اللہ عنہ) قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا، اس وقت ایک آپ (رضی اللہ عنہ) ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں، جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں۔''

یہی نہیں بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کیے ہوئے والی عمرو بن سعد بن العاص سے جا کر کہا:

''حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھ کر ہر طرح سے مطمئن کر دو۔''

عمرو بن سعد بن العاص نے کہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) خود خط لکھ لائیے میں مہر کر دوں گا۔''

چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ عمرو بن سعد بن العاص کی طرف سے یہ خط لکھا:

''میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو اس راستہ سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہے، اور اس راستہ کی رہنمائی کرے جس میں سلامتی ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) عراق جا رہے ہیں، میں آپ (رضی اللہ عنہ) کے لیے مخالفت و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں، میں آپ (رضی اللہ عنہ) کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں، میں عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) اور یحییٰ بن سعید (رضی اللہ عنہ) کو آپ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج رہا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے، میرے پاس آپ (رضی اللہ عنہ) کے لیے امن و سلامتی، نیکی، احسان اور حسن جوار ہے، خدا اس پر شاید ہے وہی اس کا کفیل، نگہبان اور وکیل ہے۔'' (ابن جریر)

مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ارادے پر قائم رہے۔

آخر 3 ذوالحجہ 61ھ بروز دوشنبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے معہ اہل و عیال روانہ ہوئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ سے نکلنے لگے تو اہل مکہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو روکنا چاہا اور کہا:

''اگر آپ (رضی اللہ عنہ) ایسے نہیں مانتے ہیں تو ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کو زبردستی روکیں گے، اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا مقابلہ کریں گے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''جو کچھ تم سے ہو سکے کر گزرو اور لڑائی کا ارمان بھی نکال لو۔''

یہ سن کر وہ سب لوگ ان کے سامنے سے ہٹ گئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک عزم صمیم رکھتے تھے، انہیں اپنے عزم کے نتائج اور دینی فوائد کا بخوبی علم و ادراک تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں راست اقدام کی نشاندہی فرمائی تھی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت پر کامل بھروسہ اور اپنے اقدام کے صحیح ہونے پر مکمل یقین تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے، زرود نامی مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نائب حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کروا دیا ہے، اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، آپ رضی اللہ عنہ نے سنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا شروع کیا، بعض ساتھیوں نے کہا:

''اب بھی وقت ہے ہم آپ (رضی اللہ عنہ) اور اہل بیت کے معاملہ میں آپ (رضی اللہ عنہ) کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں، للہ یہیں سے لوٹ چلیے، کوفہ

میں آپ (رضی اللہ عنہ) کا کوئی ایک بھی طرف دار اور مددگار نہیں ہے، سب آپ (رضی اللہ عنہ) کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے عزیز کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"واللہ! ہم ہرگز نہ ڈریں گے، ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔"

اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا:

"ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے، عبیداللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہو لیا، اسے حکم تھا:

"امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مسلسل لگا رہے، اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انہیں عبیداللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچا دے۔"

اسی اثناء میں ظہر کا وقت آ گیا، آپ رضی اللہ عنہ تہبند باندھے چادر اوڑھے نعل پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حر بن یزید کے ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں، میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد آئے مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ (رضی اللہ عنہ) آیئے تاکہ خدا ہمیں آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر

جمع کر دے، اگر اب بھی تمہاری یہی حالت ہے تو میں آ گیا ہوں، اگر مجھ سے عہد و پیمان کے لیے تیار ہو، جن پر میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمہارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں، اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلنے جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔''

اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا، دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مئوذن سے کہنے لگے:

''اقامت پکارو۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حر بن یزید سے کہا:

''کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟''

حر بن یزید نے جواب دیا:

''نہیں! آپ (رضی اللہ عنہ) امامت کریں، ہم آپ (رضی اللہ عنہ) ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔''

وہیں عصر کی نماز بھی پڑھی، دوست دشمن سب مقتدی تھے، سلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے پھر خطبہ دیا:

''اے لوگو! تم تقویٰ پر ہو اور حق دار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہو گا، اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں، ان لوگوں کا کوئی حق نہیں، یہ ہم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں، لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو اور اب تمہاری رائے اس کے خلاف ہوگئی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوط میں لکھی اور قاصدوں کے ذریعے پہنچائی، تو میں واپس چلنے

کے لیے بخوشی تیار ہوں۔''

یہ سن کر حر بن یزید ریاحی نے کہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں، ہمیں ایسے خطوط کا کچھ علم نہیں؟''

اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا، وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں اہل کوفہ کے خطوط بھرے ہوئے تھے، عقبہ بن سمعان نے تھیلے الٹ کر خطوط کا ڈھیر لگا دیا، اس پر حر بن یزید نے کہا:

''لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خطوط لکھے تھے، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو عبید اللہ بن زیاد تک لے جا کر چھوڑ آئیں۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''میں جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر دوں گا، مگر یہ بات ہرگز قبول نہ کروں گا۔'' (اخبار الطول، ص:49)

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا قافلہ حسین (رضی اللہ عنہ) میں موجود تھیں، وہ خاموش نگاہوں سے یہ تمام منظر دیکھ رہی تھیں، ہر بات ان کی سماعت میں اتر رہی تھی، انہیں اپنے بھائی کی مظلومیت پر پیار آ رہا تھا، انہیں اس بات کا گہرا فہم و ادراک ہو چکا تھا کہ معاملہ بہت سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، اور ہر آنے والا وقت پہلے سے زیادہ شدید تر اور سنگین ہوگا، دشمن انہیں کسی صورت زندہ نہیں چھوڑے گا، اب حالات کی کمان ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی، انہیں تقدیر کے فیصلے کے آگے سرنگوں کرنا ہی تھا۔

وہ خاموشی سے یہ سب ملاحظہ فرما رہی تھیں، آنکھوں میں تشویش تھی اور لب تڑپ تڑپ کر خاموش ہو رہے تھے، ان کے خلاف جال بنا جا رہا تھا، حصار

ہر لمحہ تنگ ہوتا جا رہا تھا، دل خون کے آنسو رو رہا تھا، وہ اپنے پیارے بھائی کو خونیں دشمن کی قید سے کیونکر چھڑواتیں، حالات کی سنگینی بہت شدت اختیار کر چکی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ ان کے برادر خورد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے روانگی کا حکم دیا، لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ دشمن کی سفا کی دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔

جونہی مخالفین نے راستہ روکا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خفا ہو کر حر بن یزید سے کہا:

''تیری ماں تجھے روئے، تو کیا چاہتا ہے؟''

حر بن یزید نے جواب دیا:

''واللہ! اگر آپ (رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اسے بتا دیتا، لیکن آپ (رضی اللہ عنہ) کی ماں کا ذکر میری زبان پر برائی کے ساتھ نہیں آ سکتا۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

حر بن یزید نے کہا:

''میں آپ (رضی اللہ عنہ) کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''تو واللہ! میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔''

جب یہ گفتگو بڑھی تو حر بن یزید نے کہا:

''مجھے آپ (رضی اللہ عنہ) سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے، مجھے صرف یہ حکم ملا

ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ نہ چھوڑوں، یہاں تک کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ پہنچا دوں، اگر آپ (رضی اللہ عنہ) اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کو جاتا ہو نہ مدینہ میں، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبیداللہ کو لکھیے شاید اللہ میرے لیے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کر دے، اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ بات منظور کر لی اور روانہ ہوئے۔ (ابن جریر)

# وَرُودِ کربلا

راستہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے کئی مقامات پر دوستوں اور دشمنوں سے خطاب کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے مقام بیضہ میں یہ خطبہ دیا:

''اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے عہد الٰہی شکستہ کرتا ہے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے،اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنی عقل سے اس کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے، اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے، نہ اپنے قول سے،سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا، دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو کار بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں، فساد ظاہر ہے حدود الٰہی معطل ہیں مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے، میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں، تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہنچے، تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے، نہ مجھے دشمنوں کے حوالے کرو گے، اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لیے راہِ ہدایت ہے، کیونکہ میں حسین ابن علی (رضی اللہ عنہ) ابن فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا

فرزاد اور رسول اللہ ﷺ کا نواسہ ہوں، میری جان تمہاری جان کے ساتھ، میرے بچے تمہارے بچوں کے ساتھ ہیں، مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو، لیکن اگر تم ایسا نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں، تم میرے باپ، بھائی اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو، وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے، لیکن یاد رکھو تم نے اپنا حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی، جو بدعہدی کرے گا خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔"

(السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری جگہ یوں خطاب فرمایا:

"معاملہ کی جو صورت ہوگئی ہے تم دیکھ رہے ہو، دنیا نے رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہوگئی، ذرا تلچھٹ باقی ہے، حقیر سی زندگی رہ گئی ہے، ہولنا کی نے احاطہ کر لیا ہے، افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے، کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے، وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں بقائے الٰہی کی خواہش کرے، میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا، بجائے خود جرم ہے۔"

یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا:

"تم بولو گے یا میں بولوں۔"

سب نے بیک زبان ہو کر کہا:

"تم بولو۔"

زہیر بن القین نے تقریر کی:

''اے فرزند رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہو، ہم نے آپ (رضی اللہ عنہ) کی تقریر سنی۔

واللہ! اگر دنیا ہمارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم سدا اس میں رہنے والوں میں سے ہوں، جب بھی آپ (رضی اللہ عنہ) کی حمایت ونصرت کے لیے اس کی جدائی گوارہ کر لیں گے، اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔''

حر بن زید آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلسل چلا آرہا تھا، وہ بار بار کہتا تھا:

''اے حسین! (رضی اللہ عنہ) اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجیے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ (رضی اللہ عنہ) جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔''

ایک مرتبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے غضب ناک ہو کر فرمایا:

''تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، کیا تمہاری مخالفت و دشمنی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ تجھے کیا جواب دوں، لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا:''

''میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لیے موت ذلت نہیں ہے جبکہ اس کی نیت ٹھیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، اور جبکہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہو اور دغا باز، ظالم ہونے والے سے جدا رہا ہو۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ موت کی طرف بڑھ رہے ہیں، قصر بن بنی مقاتل نامی مقام سے کوچ کے وقت اونگھ گئے تھے، پھر چونک کر

باآواز بلند کہنے لگے:

''انا للہ و انا الیہ راجعون، الحمد للہ رب العالمین۔''

تین مرتبہ یہی فرمایا، آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''انا للہ و انا الیہ راجعون، الحمد للہ رب العالمین کیوں؟''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا جا رہا ہے:''

''لوگ چلتے ہیں موت ان کے ساتھ چلتی ہے۔''

''میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری موت کی خبر ہے، جو ہمیں سنائی جا رہی ہے۔''

علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کیا ہم حق پر نہیں؟''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بے شک ہم حق پر ہیں۔''

اس پر وہ کہہ اٹھے:

''اگر ہم حق پر ہے تو موت کی کوئی پرواہ نہیں۔''

صبح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا، مگر حر بن یزید انہیں پھیلانے سے روکتا تھا، باہم دیر تک کشمکش جاری رہی، آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا، یہ ہتھیار بند تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا، مگر حر بن یزید کو سلام کیا اور اسے عبیداللہ بن زیاد کا خط پیش کیا، خط کا مضمون یہ تھا:

''حسین (رضی اللہ عنہ) کو کہیں ٹکنے نہ دو، کھلے میدان کے علاوہ کہیں اترنے

نہ پائے، قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے، میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔''

حر بن یزید نے خط کے مضمون سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا اور کہا:

''اب میں مجبور ہوں، آپ (رضی اللہ عنہ) کو بے آب و گیاہ میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔''

زہیر بن القین نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

''ان لوگوں سے لڑنا اس گراں فوج سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی۔''

مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا:

''میں اپنی طرف سے لڑائی میں ابتداء نہیں کروں گا۔''

زہیر بن القین نے کہا:

''تو پھر سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اس کا نام کیا ہے؟''

زہیر بن القین نے کہا:

''عقر۔'' (عقر کے معنی کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا ہے)

یہ سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''عقر سے خدا کی پناہ۔''

اب گزشتہ واقعات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تا کہ واقعات ذہن میں تازہ رہیں۔

اور حافظہ میں محفوظ رہیں۔

عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد بن العاص کو ”رے“ کی حکومت پر نامزد کیا، اور فی الحال چار ہزار فوج پر مامور کیا کہ صحرا میں نکل کر تمام راستوں اور سڑکوں کی نگرانی کراؤ، حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کا سراغ لگاؤ، وہ کس طرف سے آرہے ہیں اور کہاں ہیں؟

اس کے علاوہ اس نے ایک ہزار آدمی حر بن یزید تمیمی کے سپرد کر کے اسے بھی گشت پر مامور کیا، عمرو بن سعد بن العاص مقام قادسیہ میں سے ہو کر ہر قسم کی خبریں منگوانے کا انتظام کرنے لگے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ عجیب شش و پنج کے عالم میں مقام اشراف تک پہنچے، اس سے آگے بڑھے تو حر بن یزید معہ اپنی ایک ہزار فوج کے سامنے آیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حر بن یزید سے کہا:

”میں تم ہی لوگوں کے بلانے سے یہاں آیا ہوں، اگر تم لوگ اپنے عہد و اقرار پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں داخل ہو جاؤں، نہیں تو جس طرف سے آیا ہوں، اسی طرف واپس چلا جاؤں گا۔“

یہ سن کر حر بن یزید نے کہا:

”ہمیں عبیداللہ بن زیاد کا حکم ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رہیں، اور آپ (رضی اللہ عنہ) کو ان کے سامنے زیر حراست لے کر چلیں۔“

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

”یہ ذلت تو ہرگز گوارہ نہیں ہو سکتی کہ ابن زیاد کے سامنے گرفتار ہو کر جائیں۔“

اس کے بعد انہوں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو حر بن یزید نے عبیداللہ بن

زیاد کے خوف سے انہیں واپس ہونے سے روکا اور واپسی کے راستہ میں اپنی فوج لے کر کھڑا ہو گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں سے شمال کی جانب کوچ کیا اور قادسیہ کے قریب پہنچ گئے، وہاں معلوم ہوا کہ عمرو بن سعد بن العاص ایک بڑی فوج کے ساتھ مقیم ہے، حر بن یزید آپ رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں تھا، قادسیہ کے قریب پہنچ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹے اور مقام کربلا آ کر مقیم ہوئے۔

یکم محرم الحرام 61ھ بمطابق 680ء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا پہنچے، مکہ مکرمہ سے کربلا تک کا سفر آپ رضی اللہ عنہ نے تقریباً بیس دنوں میں طے کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منزل بہ منزل جہاں قیام فرماتے رفقاء کی تعداد میں اضافہ کی بجائے کمی کرتے رہے۔

ہر ہر منزل پر لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو عراق و کوفہ کے حالات سے باخبر کیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے آگے بڑھتے رہے، کوفہ کی مکمل ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔

حر بن یزید ریاحی تمیمی کے ایک ہزار سپاہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھیرے میں لیے ہوئے تھے، آخر آپ رضی اللہ عنہ ایک بیابان سرزمین میں جا اترے، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''اس سرزمین کا کیا نام ہے؟''

آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا:

''اس سرزمین کا نام کربلا ہے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ کرب اور بلا ہے۔''

یہ وہی میدان کربلا تھا جہاں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے بے انتہاء دکھ اور غم جھیلا، یہی وہ سرزمین تھی، جہاں آپ رضی اللہ عنہا نے پورے اہل بیت کو مقید دیکھا۔ یہی وہ سرزمین تھی جہاں آپ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے عزیز واقارب پر پانی کی بندش کی گئی، اور پانی کی ایک ایک بوند کے لیے ترسایا گیا۔

یہی وہ مصیبت وابتلاٗ کی سرزمین تھی، جہاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیاروں کو پیاس سے تڑپتے دیکھا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں آپ رضی اللہ عنہا نے دشمن کی مخالفت اور سنگ دلی کا منظر دیکھا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیاروں کو پیاس کے مارے جان دیتے دیکھا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں آپ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے معصوم بچوں کا خون بہایا گیا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں آپ رضی اللہ عنہا کے پیاروں کو خون میں نہلایا گیا۔

یہی وہ سرزمین تھی جہاں آپ رضی اللہ عنہا کے پیاروں کے سرتن سے جدا کیے گئے، یہی وہ سرزمین تھی، جہاں قافلہ سادات کو تہ وتیغ کیا گیا، یہی وہ سرزمین تھی، جہاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خونچکاں اور دل دہلا دینے والے مناظر دیکھے۔

یہی وہ سرزمین تھی جہاں نواسہ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خون میں نہلا کر شہید کیا گیا، یہی وہ سرزمین تھی جہاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ سنگ دل دشمن نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بے سر جسم کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روندا۔

آہ! کربلا کا خونی میدان، جہاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بڑے ہی خونیں اور دل خراش مناظر دیکھے، ایسے ایسے مناظر جو دلوں کو ہلا کر رکھ دیتے تھے، یہی وہ میدان تھا جہاں سادات کے خیموں کو نذر آتش کیا گیا، جہاں مظلوم سادات کو اسیر بنا کر لے جایا گیا۔

یہ مقام پانی سے دور تھا، دریا اور اس کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی، یہ واقعہ 2 محرم الحرام 61ھ کا ہے۔

عمرو بن سعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خبر سن کر معہ فوج روانہ ہوا، اور سراغ لیتا ہوا اگلے روز کربلا پہنچ گیا، قریب پہنچ کر عمرو بن سعد اپنی فوج سے جدا ہو کر آگے آیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا، سلام علیک، کے بعد عمرو بن سعد نے کہا:

''بے شک آپ (رضی اللہ عنہ) یزید کے مقابلے میں زیادہ مستحق خلافت ہیں، لیکن اللہ رب العزت کو یہ منظور نہیں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے خاندان میں حکومت و خلافت آئے، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے حالات آپ (رضی اللہ عنہ) کے سامنے گزر چکے ہیں، اگر آپ (رضی اللہ عنہ) اس سلطنت و حکومت کے خیال کو چھوڑ دیں تو بڑی آسانی سے آزاد ہو سکتے ہیں، نہیں تو پھر آپ (رضی اللہ عنہ) کی جان کا خطرہ ہے، اور ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کی گرفتاری پر مامور ہیں۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس وقت تین باتیں پیش کرتا ہوں، ان تین میں سے جس کو چاہو میرے لیے منظور کر لو۔

اول تو یہ کہ جس طرف سے آ رہا ہوں، اسی طرف مجھے واپس جانے دو تا کہ میں مکہ مکرمہ پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہوں۔

دوم یہ کہ مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو کہ وہاں کے کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

سوم یہ کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے سیدھا یزید کے پاس

دمشق جانے دو، میرے پیچھے پیچھے اپنے اطمینان کی غرض سے تم بھی
چل سکتے ہو، میں یزید کے پاس جا کر براہ راست اس سے اپنا معاملہ
اس طرح طے کرلوں گا جیسا میرے بڑے بھائی امام حسن (رضی اللہ عنہ) نے
حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے طے کیا تھا۔"

عمرو بن سعد یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس نے فوراً عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا:

"امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے وہ بات پیش کی ہے جس سے فتنہ کا دروازہ
بالکل بند ہو جائے گا، اور وہ یزید کے پاس جا کر بیعت کرلیں گے، تو
پھر کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔"

جس وقت عبیداللہ بن زیاد کو یہ خط ملا شمر بن ذی الجوشن اس وقت اس کے
پاس موجود تھا، اس نے کہا:

"اے امیر! اس وقت آپ کو موقع حاصل ہے کہ آپ امام
حسین (رضی اللہ عنہ) کو بلاتوقف قتل کر دیں آپ پر کوئی الزام نہ ہو گا، لیکن
امام حسین (رضی اللہ عنہ) یزید کے پاس چلے گئے تو پھر ان کے مقابلے میں
آپ کی کوئی عزت وقدر باقی نہ رہے گی، اور وہ آپ سے زیادہ مرتبہ
حاصل کرلیں گے۔"

یہ سن کر عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد کو خط لکھا:

"یہ تینوں باتیں کسی طرح منظور نہیں ہو سکتیں، ہاں صرف ایک صورت
قابل پذیرائی ہے، وہ یہ کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) خود کو ہمارے سپرد کر دیں
اور یزید کی بیعت نیابتاً اول میرے ہاتھ پر کریں، پھر میں ان کو یزید
کے پاس اپنے اہتمام سے روانہ کروں گا۔"

اس جواب کے آنے پر عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی

اور کہا:

''میں مجبور ہوں، ابن زیاد خلافت یزید کی بیعت اول اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے، اور کسی دوسری بات کو منظور نہیں کرتا۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اس سے تو مرجانا بہتر ہے کہ میں ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کروں۔''

اس کے بعد تین چار بار باہم ملاقاتیں ہوئیں، بار بار کی گفتگو کے بعد عمرو بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو پھر خط لکھا:

''خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا ہے، پھوٹ دور کر دی ہے، اتفاق پیدا کر دیا، امت کا معاملہ درست کر دیا، حسین (رضی اللہ عنہ) مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لیے تیار ہیں، اسی میں تمہارے لیے بھی بھلائی ہے۔''

عبید اللہ بن زیاد نے خط پڑھا تو پھر سے متاثر ہو گیا، اس نے عمرو بن سعد کی تعریف کی اور کہا:

''میں نے منظور کر لیا۔''

مگر شمر بن ذی الجوشن پھر آڑے آیا اور بولا:

''حسین (رضی اللہ عنہ) قبضے میں آ چکے ہیں، اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے تو عجب نہیں کہ عزت وقوت حاصل کریں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں، بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے، جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین (رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن سعد رات بھر سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔''

عبید اللہ بن زیاد نے فوراً ایک چوبدار جویرہ بن بدر تمیمی کو بلایا اور عمرو بن سعد

کے نام خط لکھ کر دیا:

''میں نے تم کو حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کی گرفتاری پر مامور کیا تھا، تمہارا فرض تھا کہ ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لاتے یا گرفتار نہ کر سکتے تو ان کا سر کاٹ کر لاتے، میں نے تم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم ان کی مصاحبت اختیار کر کے دوستانہ تعلقات بڑھاؤ، اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ فوراً ہی بلا تامل خط کو پڑھتے ہی حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو میرے پاس لاؤ ورنہ جنگ کر کے ان کا سر کاٹ کر بھیجو، اگر تم سے ذرا بھی تامل سرزد ہوا تو اپنے قاصد کو جو یہ خط لے کر آ رہا ہے، حکم دیا ہے کہ وہ تم کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچائے، اور لشکر وہیں مقیم رہ کر دوسرے سردار کا منتظر رہے، جس کو میں تمہاری جگہ مامور کر کے بھیجوں گا۔''

جویرہ بن بدر یہ خط لے کر جمعرات کے دن 9 محرم الحرام 61 ھ میں عمرو بن سعد کے پاس پہنچا، عمرو بن سعد اس وقت اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا، خط پڑھتے ہی کھڑا ہو گیا، اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کو تیاری کا حکم دیا، اور جویرہ بن بدر سے کہا:

''تم گواہ رہنا کہ میں نے امیر کا حکم پڑھتے ہی اس کی تعمیل کی ہے۔''

پھر صفوف جنگ آراستہ کر کے جویرہ بن بدر کو ہمراہ لے کر آگے بڑھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا:

''امیر ابن زیاد کا یہ حکم آیا ہے کہ میں اس کی تعمیل میں ذرا بھی دیر کروں تو یہ قاصد موجود ہے، جس کو حکم دیا گیا ہے کہ فوراً مجھے قید کر لے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مجھ کو کل تک کے لیے سوچنے کی مہلت دو۔''

عمرو بن سعد نے جویرہ بن بدر کی طرف دیکھا، اس نے کہا:

''کل کچھ دور نہیں ہے، اتنی مہلت دے دینی چاہیے۔''

عمرو بن سعد میدان سے واپس آیا اور فوج کو حکم دیا:

''کمر کھول دو، آج کوئی لڑائی نہ ہوگی۔''

دوسری طرف عبیداللہ بن زیاد نے جویرہ بن بدر کے ہاتھ یہ حکم روانہ کرنے کے بعد سوچا:

''اگر ابن سعد نے سستی کی اور جویرہ بن بدر نے اس کو قید کر لیا تو فوج بغیر افسر کے رہ کر منتشر ہو جائے گی، ممکن ہے کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے جا ملے، ایسی صورت میں ضرور دقت و پریشانی کا سامنا ہوگا، اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو موقع مل جائے گا کہ وہ مکہ کی طرف روانہ ہو جائیں، اور قابو میں آئے ہوئے نکل جائیں۔''

چنانچہ اس نے فوراً شمر بن ذی الجوشن کو بلوایا اور کہا:

''میں جویرہ بن بدر کو بھیج چکا ہوں، اور اس کو حکم دے دیا ہے کہ اگر ابن سعد لڑائی میں تامل کرے تو اس کو گرفتار کر کے لے آئے، ابن سعد کی طرف سے مجھے منافقت کا شبہ ہے، اگر جویرہ بن بدر نے ابن سعد کو گرفتار کر لیا تو فوج جو میدان میں پڑی ہوئی ہے سب آوارہ اور ضائع ہو جائے گی، اور میں تجھ سے بہتر اس کام کے لیے دوسرا شخص نہیں پاتا، تو فوراً کربلا کی طرف جا، اور اگر ابن سعد گرفتار ہو چکا ہے تو فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے، اور امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے لڑ کر ان کا سر کاٹ لا، اگر ابن سعد گرفتار نہ ہوا ہو اور لڑائی میں تامل کر رہا ہو تو فوراً جاتے ہی لڑائی چھیڑ دے، اور کام کو جلدی ختم کر دے۔''

جویرہ بن بدر رات کے وقت روانہ ہوا تھا، اور جمعرات کے دن علی الصباح لشکر گاہ کربلا پہنچ گیا تھا، شمر بن ذی الجوشن صبح کے وقت روانہ ہوا اور عصر کے وقت پہنچا۔

شمر بن ذی الجوشن کے آنے پر تمام کیفیت جو پیش آئی تھی سنا دی، شمر بن ذی الجوشن نے کہا:

''میں تو ایک لحہ بھی مہلت نہ دوں گا، یا تو اسی وقت لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ ورنہ لشکر میرے سپرد کر دو۔''

عمرو بن سعد اسی وقت سوار ہوا اور شمر بن ذی الجوشن کو ہمراہ لے کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا:

''عبیداللہ بن زیاد نے دوسرا قاصد بھیجا ہے، اور وہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو مہلت نہیں دینا چاہتا۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سبحان اللہ! اب مہلت دینے یا نہ دینے کی کیا ضرورت ہے، آفتاب تو غروب ہو رہا ہے، کیا رات کے وقت بھی تم لوگ جنگ کو کل کے لیے ملتوی نہ رکھو گے۔''

یہ سن کر شمر بن ذی الجوشن نے بھی کل کا انتظار مناسب سمجھا اور دونوں لشکر اپنے اپنے لشکر گاہ کو واپس چلے آئے۔

رات کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا حکم آ پہنچا:

''اگر ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی ہے، تو اسی وقت جبکہ یہ حکم پہنچے پانی پر قبضہ کر لو، اور حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ہمراہیوں کے لیے پانی بند کر دو، اگر سپاہ شمر بن ذی الجوشن کے زیر کمان آ گئی ہے، تو شمر بن ذی الجوشن کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔''

عمرو بن سعد نے اس حکم کے پہنچتے ہی عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سوار دے کر ساحل فرات پر متعین کر دیا، اتفاقاً دن میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں نے اپنے لیے پانی نہیں بھرا تھا، ان کے تمام برتن خالی ہو گئے تھے، رات کو جب پانی بھرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے پانی پر قبضہ کرلیا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ پانی لینے کے لیے بھیجا کہ وہ زبردستی پانی لائیں، مگر ان ظالموں نے پانی لینے نہ دیا، اب دم بدم پیاس کی شدت نے تکلیف پہنچانی شروع کی، یہ ایسی اذیت تھی جو تیر و شمشیر کی اذیت سے زیادہ سوہان روح تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے علی بن حسین رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور خیمے پر پڑے رہتے تھے، وہ اور ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر کہ صبح کو دشمنوں کا حملہ ہو گا، اور تمام عزیز و اقارب جو اس وقت موجود ہیں قتل و شہید ہوں گے، رونے لگے، ان دونوں کے رونے کی آواز سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمہ کے اندر آئے اور کہا:

> ''دشمن ہمارے قریب ہی خیمہ زن ہے، تمہارے رونے کی آواز سن کر خوش ہوں گے، اور ہمراہیوں کے دل تھوڑے ہوں گے، تمہیں ہرگز ہرگز ہائے وائے نہیں کرنی چاہیے۔''

وہ رات سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی بے چینی سے گزری، انہیں بار بار اپنے مظلوم بھائی کا خیال آرہا تھا، وہ بھائی جو انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا۔

صبح ہوئی تو شمر بن ذی الجوشن اور عمرو بن سعد صفوف لشکر کو آراستہ کر کے میدان میں آئے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہمراہیوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ متعین کیا، بعض روایات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے

ہمراہ اس وقت جبکہ لڑائی 10 محرم الحرام 61ھ کو شروع ہوئی ہے، 72 جاں نثار موجود تھے، بعض روایات کے مطابق 140 اور بعض کے مطابق 240 تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کر کے اور ضروری وصیتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کی صفوف کے سامنے تنہا گئے، ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے ایک تقریر کی اور فرمایا:

''اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لیے اس وقت پیدا نہ کرے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے، تم اس سے باز نہ آؤ گے، لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کی حجت تم پر پوری ہو جائے اور میرا عذر بھی ظاہر ہو جائے۔''

جمعہ کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمرو بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اصحاب کی صفوف قائم کیں، ان کے ساتھ صرف 32 سوار اور 40 پیادہ کل 72 جاں نثار تھے، میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا، میسرہ حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا، علم اپنے بھائی حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا، خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا، اور آگ جلا دی گئی، تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا یہ سب کچھ بسر و چشم ملاحظہ فرما رہی تھیں، اپنے بھائی کی بے بسی پر ان کا دل کٹ رہا تھا، وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے عزیز از جاں بھائی کو دشمن نے چاروں اطراف سے گھیر رکھا ہے، دشمن کے عزائم نیک نہیں تھے، وہ اہل بیت کو مٹانے کے لیے کمر بستہ ہو چکے تھے۔

دشمن کی فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا، آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا:

''اے حسین (رضی اللہ عنہ) قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی؟''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اے چرواہے کے بیٹے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔''

مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا:

''مجھے اجازت دیجئے اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں کیونکہ بالکل زد پر ہے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا:

''نہیں! میں لڑائی میں ابتداء نہیں کروں گا۔''

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے:

''الٰہی! ہر مصیبت میں تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے، ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بے وفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے، تو ہی احسان والا ہے، آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔'' (شرح نہج البلاغہ سیرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

جب دشمن قریب آ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹنی طلب کی، سوار ہوئے، قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوف کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

''لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو مجھے نصیحت کر لینے دو اپنا عذر بیان کر لینے دو، اپنی آمد کی وجہ کہنے دو، اگر میرا عذر معقول ہوا اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لیے خوش نصیبی کا

باعث ہوگا، اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے، لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کردو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے، تم اور تمہارے ساتھی اتحاد کرلو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے مہلت بھی نہ دو، میرا اعتماد ہر حال میں پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکوکاروں کا حامی ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہوگئیں، اور خیمہ سے چیخ و پکار اور دہائی کی صدا بلند ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اپنے فرزند علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ انہیں خاموش کرائیں اور کہا:

"ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے۔"

پھر بے اختیار پکار اٹھے:

"خدا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی عمر دراز کرے۔" (یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ اس لیے کہا تھا کہ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خواتین کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر توجہ نہ کی تھی، خواتین کی پریشانی اور رونا دھونا دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بات یاد آگئی۔

حر بن یزید بے تابی سے دشمنوں کی صفوف کے سامنے پہنچا اور کہا:

"اے لوگو! حسین (رضی اللہ عنہ) کی پیش کی ہوئی شرائط میں سے کوئی ایک شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے تاکہ خدا تمہیں اس امتحان سے بچالے۔"

لوگوں نے جواب دیا:

''یہ ہمارے سردار عمرو بن سعد موجود ہیں، یہ جواب دیں گے۔''

عمرو بن سعد نے کہا:

''میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرائط منظور کر سکتا۔''

اس واقعہ کے بعد حر بن یزید نے نہایت جوش وخروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و عذر پر غیرت دلائی، لیکن اس کے جواب میں انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیے۔

اس واقعہ کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین رضی اللہ عنہ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا:

''گواہ رہو! سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔''

پھر تیر بازی شروع ہو گئی، اس کے بعد عمرو بن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا، جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے، اور نیزے سیدھے کر دیے، نیزوں کے منہ پر گھوڑے نہ بڑھ سکے اور لوٹنے لگے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل کر دیے۔

# راہِ حق کے مسافر

اب باقاعدہ جنگ شروع ہو چکی تھی، طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے طرف داروں کا پلہ بھاری تھا جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا، میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا:

''بے وقوفو! پہلے جان لو کہ کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں، تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے، ایسا نہ کرو، یہ مٹھی بھر ہیں پتھروں سے انہیں مار سکتے ہو۔''

عمرو بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا:

''مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔''

چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت وخون شروع ہو گیا، ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک وخون میں پڑے ہیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رخ موڑ کر لاش پر پہنچے، ابھی سانس باقی تھی، سرد آہ بھر کر فرمایا:

''مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت۔''

مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہلے شہید تھے۔ (ابن جریر)

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی، شمر بن ذی الجوشن اس کا سالار تھا، حملہ بہت

ہی سخت تھا، مگر حسینی میسرہ نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا، اس بازو میں صرف 32 سوار تھے، جس طرف بڑھتے صفیں الٹ جاتی تھیں، آخر طاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے، چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی، بہت سے سپاہی اور پانچ سو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے، انہوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کر دیے، تھوڑی دیر میں تمام گھوڑے بیکار ہو گئے، اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

لڑائی پوری ہولناکی سے جاری تھی، اب دوپہر ہو گئی مگر کوئی فوج غلبہ نہ حاصل کر سکی، وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کر دیے تھے، اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتا تھا، عمرو بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ دینے کے لیے آدمی روانہ کیے، حسینی فوج کے صرف چار پانچ جاں نثار مقابلہ کے لیے کافی ثابت ہوئے، خیموں کی آڑ سے دشمن کی یہ صورت حال بھی ناکام رہی تو عمرو بن سعد نے خیمے جلا دینے کا حکم دیا، سپاہی آگ لے کر دوڑے، حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئے، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کچھ پرواہ نہیں، جلانے دو، یہ ہمارے لیے اور بھی بہتر ہے، اب وہ عقب سے حملہ نہیں کر سکیں گے۔"

یکے بعد دیگرے تمام اصحاب شہید ہوتے جا رہے تھے، اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی، سب سے پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا، وہ بڑی شجاعت سے لڑے، آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔

ایک راوی کہتا ہے:

"میں نے دیکھا خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی، وہ چلا رہی تھی۔"

"آہ بھائی! آہ بھتیجے!"

میں نے پوچھا:

''یہ کون ہے؟''

لوگوں نے کہا:

''زینب (رضی اللہ عنہا) بنت علی (رضی اللہ عنہ)۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے، پھر علی اکبر (رضی اللہ عنہ) کی لاش اٹھائی اور خیمہ کے سامنے لاکر رکھ دی۔''

## کربلا کا خونی منظر

اب ہم ان واقعات پر ایک دوسرے پیرائے میں نظر ڈالتے ہیں۔

دسویں محرم 61ھ کا دن قیامت نما دن تھا، جمعہ کی صبح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام رفقاء اور اہل بیت کے ساتھ فجر کے وقت اپنی عمر کی آخری نماز فجر با جماعت نہایت ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی، پیشانیوں نے سجدوں میں خوب مزے لیے، زبانوں نے قرأت و تسبیحات کے لطف اٹھائے، نماز سے فراغت کے بعد خیمہ میں تشریف لائے۔

دسویں محرم' 61ھ کا آفتاب قریب طلوع ہے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام رفقاء اور اہل بیت تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہیں، ایک قطرہ آب میسر نہیں آیا، اور ایک لقمہ حلق سے نہیں اترا، بھوک پیاس سے جس قدر ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا وہی لوگ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں، جنہیں کبھی دو تین وقت فاقہ کی نوبت آئی ہو، پھر بے وطنی، تیز دھوپ، گرم ریت، گرم ہوائیں، انہوں نے ناز پروردگان آغوش رسالت کو کیسا پژمردہ کر دیا ہوگا، ان غریبان وطن پر جور و جفا کے پہاڑ توڑنے کے لیے بائیس ہزار فوج اور تازہ دم لشکر تیر و تیغ سنان سے مسلح صفیں باندھے موجود، جنگی نقارہ بجا دیا گیا، اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرزند اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کے جگر گوشہ کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کارزار میں تشریف فرما کر ایک خطبہ فرمایا، جس میں بیان فرمایا:

"خون ناحق حرام اور غضب الٰہی کا موجب ہے، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم اس گناہ میں مبتلا نہ ہو میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے، کسی کا گھر نہیں جلایا، کسی پر حملہ آور نہیں ہوا، اگر تم اپنے شہر میں میرا آنا پسند نہیں کرتے ہو تو مجھے واپس جانے دو، تم کس طرح میرے خون کے الزام سے بری ہو سکتے ہو، روزِ محشر تمہارے پاس میرے خون کا کیا جواب ہو گا، اپنا انجام سوچو اور اپنی عافیت پر نظر ڈالو، پھر یہ بھی سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور بارگاہ رسالت میں کس چشم کرم کا منظورِ نظر ہوں، میرے والد کون ہیں، اور میری والدہ کس کی لختِ جگر ہیں، میں انہی بتول زہراؓ (رضی اللہ عنہا) کا نور دیدہ ہوں، جن کے پل صراط پر گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اہل محشر! سر جھکاؤ اور آنکھیں بند کرو کہ حضرت خاتون جنت پل صراط سے ستر ہزار حوروں کو رکابِ سعادت میں لے کر گزرنے والی ہیں، میں وہی ہوں جس کی محبت کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت فرمایا ہے، میرے فضائل تمہیں خوب معلوم ہیں، میرے حق میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں ہو۔"

اس کا جواب یہ دیا گیا:

"آپ (رضی اللہ عنہ) کے تمام فضائل ہمیں معلوم ہیں، مگر اس وقت یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں ہے، آپ (رضی اللہ عنہ) جنگ کے لیے کسی کو میدان میں بھیجیے

اور گفتگو ختم فرمایئے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں حجتیں ختم کرنا چاہتا ہوں کہ اس جنگ کو دفع کرنے کی تدابیر میں سے میری طرف سے کوئی تدبیر نہ رہ جائے، اور جب تم مجبور کرتے ہو تو بہ مجبوری و ناچاری مجھ کو تلوار اٹھانا ہی پڑے گی۔''

ہنوز گفتگو ہو رہی تھی کہ گروہ اعداء میں سے ایک شخص گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا، جس کا نام مالک بن عروہ تھا، جب اس نے دیکھا کہ لشکر امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہل خیمہ کی حفاظت کی جا رہی ہے تو اس گستاخ بدباطن نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اے حسین! (رضی اللہ عنہ) تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے دشمن خدا تو کاذب ہے، تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤں گا۔''

حضرت مسلم بن عوسجہ کو مالک بن نویرہ کا یہ کلمہ بہت ناگوار گزرا، انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی، صبر و تحمل اور تقویٰ و راست بازی اور عدالت و انصاف کا ایک عدیم المثال منظر ہے کہ ایسی حالت میں جب جنگ کے لیے مجبور کیے گئے تھے، خون کے پیاسے تلواریں کھینچے ہوئے جان کے خواہاں تھے، بے باکوں نے کمال بے ادبی و گستاخی سے ایسا کلمہ کہا، اور ایک جاں نثار اس کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہتا ہے تو اس وقت اپنے جذبات قبضے میں ہیں، طیش نہیں آتا فرماتے ہیں:

''خبردار! میری طرف سے کوئی جنگ کی ابتداء نہ کرے تاکہ اس خوں ریزی کا وبال اعدا ہی کی گردن پر رہے، اور ہمارا دامن ان اقدام سے آلودہ نہ ہو، لیکن تیری جراحت کا مرہم بھی میرے پاس ہے، اور تیرے سوز جگر کی تشفی کی بھی تدبیر رکھتا ہوں، اب تو دیکھ۔''

یہ فرما کر دست دعا دراز فرمائے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

''یا رب! عذاب نار سے قبل اس گستاخ کو دنیا میں آتشِ عذاب میں مبتلا کر۔''

امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس شخص کا گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور اسے آگ کی خندق میں ڈال دیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سجدہ شکر ادا کیا، اور اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کی اور فرمایا:

''اے پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے اہل بیت رسالت کے بدخواہ کو سزا دی۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سن کر صفوفِ اعداء میں سے ایک اور بے باک نے کہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) کو پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا نسبت؟''

یہ کلمہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تکلیف دہ تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی بددعا فرمائی اور عرض کیا: ۔

''یارب! اس بدزبان کو فوری عذاب میں گرفتار کر۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی، گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے

حاجت کے لیے برہنہ ہو کر بیٹھا، ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا، اس رسوائی کے ساتھ تمام لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی، مگر سخت دلانِ بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

ایک شخص مزنی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر کہا:

''اے امام! (رضی اللہ عنہ) دیکھو دریائے فرات کیا موجیں مار رہا ہے، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اس کا ایک قطرہ بھی نہ ملے گا، اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں فرمایا:

''یارب! اسے پیاسا مار۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا اچکا، بھاگا اور مزنی اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس پر غالب ہوئی، اس شدت کی غالب ہوئی کہ ''العطش، العطش'' پکارتا تھا، اور جب پانی منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہ پی سکتا تھا، یہاں تک کہ اسی شدت پیاس میں مر گیا۔

فرزند رسول کو یہ بات بھی دکھائی دیتی تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہ حق پر اور ان کے قرب و منزلت پر جیسی کہ نصوص کثیرہ واحادیث شہیرہ شاہد ہیں، ایسے ہی ان کے خوارق و کرامات بھی گواہ ہیں، اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمام حجت کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلے میں آنا خدا سے جنگ کرنا ہے، اس کا انجام سوچو اور باز رہو، مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے، اور دنیائے ناپائیدار کی حرص کا بھوت جوان کے سروں پر سوار تھا، اس نے انہیں اندھا بنا دیا، اور نیزے باز لشکر اعداء سے نکل کر رجز خوانی کرتے ہوئے میدان میں آ کودے، اور تکبر و نخوت کے ساتھ اتراتے ہوئے

گھوڑے دوڑا کر اور ہتھیار چمکا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مبارز ہوئے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان کے نونہال شوق جانبازی میں سرشار تھے، انہوں نے میدان میں جانا چاہا، لیکن قریب کے گاؤں والے جہاں اس ہنگامے کی خبر پہنچی تھی، وہاں کے مسلمان بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہو گئے تھے، انہوں نے اصرار کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتجی ہوئے، اور کسی طرح راضی نہ ہوئے جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ ہے خاندان اہل بیت کا کوئی بچہ میدان میں جائے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان اخلاص کیشوں کی سرفروشانہ التجائیں منظور فرمانا پڑیں، اور انہوں نے میدان میں پہنچ کر دشمنان اہل بیت سے شجاعت و بسالت کے ساتھ مقابلے کیے اور اپنی بہادری کے سکے جما دیے، اور ایک ایک نے اعداء کی کثیر تعداد کو ہلاک کر کے راہِ جنت اختیار کرنا شروع کی، اس طرح بہت سے جانباز فرزند رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اپنی جانیں نثار کر گئے۔

سعادت مند جاں نثار، داد جاں نثاری دیتے اور جانیں فدا کرتے رہے، جن جن خوش نصیبوں کی قسمت میں تھا انہوں نے خاندانِ اہل نبوت پر اپنی جانیں فدا کرنے کی سعادت حاصل کی، اس زمرہ میں حر بن یزید ریاحی تمیمی قابل ذکر ہے، جنگ کے وقت حر کا دل بہت مضطرب تھا، اور اس کی سیماب وار بے قراری اس کو ایک جگہ نہ ٹھہرنے دیتی تھی، کبھی وہ عمرو بن سعد سے کہتے تھے:

''تم امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جنگ کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
کیا جواب دو گے؟''

عمرو بن سعد کو اس کا جواب نہ بن آتا تھا، وہاں سے ہٹ کر پھر میدان میں آتے ہیں، بدن کانپ رہا ہے، چہرہ زرد ہے، پریشانی کے آثار نمایاں ہیں، دل

دھڑک رہا ہے، ان کے بھائی مصعب بن یزید نے ان کا یہ حال دیکھ کر پوچھا:

''میرے برادر! آپ مشہور جنگ آزما اور دلاور و شجاع ہیں، آپ کے لیے یہ پہلا معرکہ نہیں بارہا جنگ کے خونی مناظر آپ کی نظر کے سامنے سے گزرے ہیں، اور بہت سے دیو پیکر آپ کی خون آشام تلوار سے پیوند خاک ہوئے ہیں، آپ کا یہ حال ہے اور آپ پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟''

حر بن یزید نے کہا:

''اے برادر! یہ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرزند سے جنگ ہے، اپنی عاقبت سے لڑائی ہے، بہشت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں، دنیا پوری قوت کے ساتھ مجھے جہنم کی طرف کھینچ رہی ہے، اور میرا دل اس کی ہیبت سے کانپ رہا ہے۔''

اسی اثناء میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آواز آئی، فرماتے ہیں:

''کوئی ہے جو آج آلِ رسول پر جان نثار کرے، اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سرخروئی پائے؟''

یہ صدا تھی جس نے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں، دل بے تاب کو قرار بخشا اور اطمینان ہوا کہ شاہزادہ کونین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پہلی جرأت سے چشم پوشی فرمائیں تو عجب نہیں، کریم نے کرم سے بشارت دی ہے، جان فدا کرنے کے ارادہ سے چل پڑو، گھوڑا دوڑایا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گھوڑے سے اتر کر نیاز مندوں کے طریقے پر رکاب تھامی اور عرض کیا:

''اے ابن رسول، فرزند بتول! میں وہی حر ہوں جو پہلے آپ (رضی اللہ عنہ) کے مقابل آیا، اور جس نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو اس میدان بیابان میں

روکا، اپنی اس جسارت و مبارزت پر نادم ہوں، شرمندگی اور خجالت نظر اٹھانے نہیں دیتی، آپ (رضی اللہ عنہ) کی کریمانہ صدا سن کر امیدوں نے ہمت بندھائی تو حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کے کرم سے کیا بعید کہ عفو جرم فرمائیں، اور غلامان با اخلاص میں شامل فرمائیں، اور اپنے اہل بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت دیں۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حر بن یزید کے سر پر دست شفقت رکھا اور فرمایا:

''اے حر! بارگاہ الٰہی میں اخلاص مندوں کے استغفار مقبول ہیں، اور توبہ مستجاب عذر خواہ محروم نہیں جاتے۔ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ شاد باش کہ میں نے تیری تقصیر معاف کی، اور اس سعادت کے حصول کی اجازت دی۔''

حر بن یزید اجازت پا کر میدان کی طرف روانہ ہوا، گھوڑا چمکا کر صف اعداء پر پہنچا، حر کے بھائی مصعب بن یزید نے دیکھا کہ حر نے دولت سعادت پائی اور نعمتِ آخرت سے بہرہ مند ہوا، اور حرص دنیا کے غبار سے اس کا دامن پاک ہوا، اس کے دل میں ولولہ جاگ اٹھا اور وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا، عمرو بن سعد کے لشکر کو گمان ہوا کہ بھائی کے مقابلے کے لیے جاتا ہے، جب میدان میں پہنچا، بھائی سے کہنے لگا:

''بھائی! تو میرے لیے خضرِ راہ ہوگیا، اور مجھے تو نے سخت ترین مہلکہ سے نجات دلائی، میں تیرے ساتھ ہوں اور رفاقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

اعداء بدکیش کو اس واقعہ سے نہایت حیرانی ہوئی، یہ واقعہ دیکھ کر عمرو بن سعد کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ گھبرا گیا، اور اس نے ایک شخص کو منتخب کر کے ان کی طرف بھیجا اور کہا:

''نرمی، مہربانی و مدارت کے ساتھ سمجھا بجھا کر حر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرو اور اپنی چالبازی اور فریب کاری کو انتہا تک پہنچا دو، پھر بھی ناکامی ہو تو اس کا سر کاٹ کر لے آنا۔''

وہ شخص چلا اور آ کر حر سے کہنے لگا:

''اے حر! تیری عقل و دانائی پر ہم فخر کیا کرتے تھے، مگر آج تو تُو نے کمال نادانی کی کہ اس لشکر جرار سے نکل کر یزید کے انعام و اکرام پر ٹھوکر مار کر چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا، جن کے ساتھ نان خشک کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، تیری اس نادانی پر افسوس آتا ہے۔''

اس شخص نے حر بن یزید کو ہر طرح سے ورغلانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی تو اس نے باتیں کرتے کرتے ایک تیر حر بن یزید کے سینہ پر کھینچ مارا، حر بن یزید نے زخم کھا کر ایک نیزہ کا وار کیا جو اس کے سینہ سے پار ہو گیا اور اسے گھوڑے سے اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اس شخص کے تین بھائی تھے، یکبارگی حر پر دوڑ پڑے، حر نے آگے بڑھ کر ایک کا سر تلوار سے اڑا دیا، دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا کر اس طرح پھینکا کہ گردن ٹوٹ گئی، تیسرا بھاگ نکلا، حر بن یزید نے اس کا تعاقب کیا، قریب پہنچ کر اس کی پشت پر نیزہ مارا اور سینہ سے نکل گیا۔

اب حر بن یزید نے عمرو بن سعد کے لشکر پر حملہ کیا اور خوب زور کی جنگ کی، ابن سعد کے لشکر کو حر بن یزید کے جنگی ہنر کا اعتراف کرنا پڑا، اور وہ جان باز صادق دادِ شجاعت دے کر فرزند رسول پر جان فدا کر گیا۔

حر کے ساتھ اس کے بھائی اور غلام نے بھی نوبت بہ نوبت دادِ شجاعت دے کر اپنی جانیں اہل بیت پر قربان کیں، پچاس سے زائد جاں نثار شہید ہو چکے، اب صرف

خاندان اہل بیت باقی ہیں اور دشمن بد باطن کی انہی پر نظر ہے، یہ سب پروانہ وار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر نثار ہیں، یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس چھوٹے سے لشکر میں سے اس مصیبت کے وقت میں کسی نے ہمت نہ ہاری، دوستوں اور غلاموں میں سے کسی کو بھی اپنی جان پیاری معلوم نہ ہوئی، ساتھیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی جان لے کر بھاگتا یا دشمنوں کی پناہ چاہتا، جاں نثاران حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق و جانبازی میں پروانہ وبلبل کے افسانے ہیچ کر دیے، ہر ایک کی تمنا تھی اور ہر ایک کا اصرار تھا کہ پہلے جاں نثاری کا اسے موقع دیا جائے، عشق و محبت کے متوالے شوق شہادت میں مست تھے، تنوں کا سر سے جدا ہونا اور راہ خدا میں شہادت پانا، ان پر وجد کی کیفیت طاری کرتا تھا، ایک کو شہید ہوتا دیکھ کر دوسرے کے دل میں شہادتوں کی امنگیں جوش مارتی تھیں۔

خاندان امام حسین رضی اللہ عنہ کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا دکھا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جان قربان کرتے جا رہے تھے، فرزندان امام حسین رضی اللہ عنہ کے محاربہ نے دشمن کے ہوش اڑا دیے۔

اب وقت آیا کہ جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر جانیں قربان کر گئے، اب تنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور ایک فرزند امام زین العابدین رضی اللہ عنہ وہ بھی بیمار و ناتواں، باوجود اس کمزوری و ناطاقتی کے خیمہ سے باہر آئے، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تنہا دیکھ کر میدانِ کارزار جانے اور اپنی جان نثار کرنے کے لیے نیزہ دست مبارک میں لیا، لیکن بیماری، سفر کی تکلیف، بھوک پیاس، مسلسل فاقوں اور پانی کی تکالیف و شدت سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرز اٹھتا تھا، باوجود اس کے ہمت مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کرلیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تن ناز پرور نشانہ بنا ہوا ہے، نورانی جسم زخموں سے چور چور اور لہولہان ہو رہا ہے، بے شرم کوفیوں نے سنگدلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا، ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا، یہ پیشانی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی، یہ مسیحائے نور حبیب خدا کے آرزو مندان جمال کا قرار دل ہے، بے ادبان کوفہ نے اس پیشانی مصفا اور جبین پر ضیاء کو تیر سے زخمی کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چکر آیا اور گھوڑے سے نیچے آئے، اب نامردانِ سیاہ باطن نے نیزوں پر رکھ لیا، نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ظالمان بدکیش نے اسی پر اکتفا نہ کیا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مصائب کا خاتمہ نہ ہوا، دشمنان ایمان نے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نضر ابن خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا، مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی، خولی ابن یزید پلید نے یا سبل یا ابن یزید نے بڑھ کر سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کیا۔

صادق جانباز نے عہد و وفا پورا کیا، اور دین حق پر قائم رہ کر اپنا کنبہ، اپنی جان، راہ خدا میں اولوالعزمی سے نذر کی، سوکھا گلا کاٹا گیا، اور کربلا کی زمین سید الشہداء کے خون سے گلزار بنی، سر و تن کو خاک میں ملا کر اپنے جد کریم کے دین کی حقانیت کی عملی شہادت دی، اور ریگستان کے ورق پُر صدق و امانت پر جان قربان کرنے کے لیے نقوش ثبت فرمائے۔

محرم 61ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے روز چھپن سال پانچ ماہ اور پانچ دن کی عمر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس دار ناپائیدار سے رخصت فرمائی، اور داعی اجل کو لبیک کہی۔

# شہادت گاہِ کربلا سے کوفہ تک

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ یوم عاشور سے 12 محرم الحرام 61ھ تک بے پناہ مصیبتوں کے ہجوم میں گھری رہیں۔

انہوں نے میدان کربلا میں اپنے عزیز از جاں برادر محترم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی داد وفریاد بھری آواز سنی، جس کا کسی طرف سے کوئی جواب نہ آرہا تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں گھوڑے سے گرتے دیکھا، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ پر پتھروں کا برسنا دیکھا، ان کے جسم مبارک پر تیروں اور تلواروں کی یلغار دیکھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو سوار کے بغیر دیکھا، جس کی زین خون سے رنگین ہو رہی تھی، جب وہ خیمہ کے دروازے پر آیا تو گویا وہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دینے آیا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کے خیموں کو آگ کی لپٹوں میں جلتے دیکھا، پھر انہوں نے بچوں اور خواتین کو ان خیموں سے نکلتے بھاگتے دیکھا، ان صدمات کا نظارہ کیا، جو ان مظلومین نے دیکھے۔

یوم عاشور کو وقت عصر بچوں اور خواتین کو پانی ملنا اور ان کا شہدائے تشنہ لب کی پیاس کو یاد کر کے پانی پینے سے انکار کر دینا، یہ سب نظارہ ان کی چشمان مبارک نے دیکھا۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والی شب تنہائی اور مصائب و آلام کی شب تھی، بچے دشمن کے ڈر سے آنکھوں سے نیند کو بھگا رہے تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہا نے

11 محرم الحرام 61ھ کی صبح کو وہ دلخراش منظر بھی ملاحظہ کیا، جب میدان کربلا میں شہدائے کربلا کے بے سر اجساد پڑے ہوئے تھے، جو ٹکڑوں میں تقسیم تھے۔

ان مناظر میں وہ منظر بھی شامل تھا، جب میدان جنگ نہ چھوڑنے پر دشمنوں نے بچوں پر کوڑوں کی بارش کر دی تھی۔

پھر ان خواتین اور بچوں کو ایک قافلہ کی صورت میں میدان کربلا سے نکالا گیا، سفر کی تلخیاں، دشواریاں اور دشمنوں کے مظالم، پھر نیزوں پر شہدائے کے کٹے ہوئے سر یہ مناظر بڑے ہی ہولناک تھے۔

ہم اس سے قبل اوراقِ گزشتہ میں یہ بات رقم کر چکے ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ میں جو خطاب فرمایا، اس سے طوفان اور انقلاب کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، شہر کوفہ کی فضا میں لوگوں کی چیخ و پکار اور دہائی تھی، ہر آنکھ اشک بار ہو گئی تھی، خطرہ تھا کہ کہیں انقلاب نہ برپا ہو جائے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو خاموش کرانے کے لیے ظالموں کے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا، وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر مبارک کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قریب لے آئے تاکہ ان کی نظر اپنے بھائی کے کٹے ہوئے سر پر پڑنے لگے، اور ان کا دھیان بٹ جائے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ دلخراش منظر دیکھا تو بے چین ہو گئیں، لیکن پھر بھی انہوں نے صبر و اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، تاہم اپنے دل کے درد کو اشعار کی زبان میں سمو دیا:

"اے میرے شب اول ماہ کے چاند! ابھی تو بدر کی صورت میں کامل نہ ہو پایا تھا کہ غروب بھی ہو گیا

اے میرے میوہ دل! میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ تجھ پر یہ کچھ گزر جائے گا، یہ امر مقدور و محترم تھا

اے میرے بھائی! اپنی چھوٹی (بیٹی) فاطمہ سے تو بات کر لے،
جو نزدیک ہے اور اس کا دل غم و غصہ سے پانی پانی ہو رہا ہے
اے میرے پیارے بھائی! تیرا دل تو مجھ پر مہربان تھا، اب کیا ہوا کہ
مجھ پر سخت ہو گیا اور میرا حال تک نہیں پوچھتا
اگر علی اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھیں تو طاقت برداشت باقی نہ رکھ سکیں گے
اے میری جان حسین! اس بچہ سے تو بات کر جس کو تازیانے مارے جا
رہے ہیں، وہ مجھ سے مدد طلب کر رہا ہے اس کے آنسو بہہ رہے ہیں،
اسے اپنے سینے سے لگا لے، اس کے وحشت زدہ دل کو سکون عطا کر
یہ یتیم بچہ کس قدر خوار و کمزور ہو گیا ہے کہ اپنے باپ کو پکارتا ہے لیکن
اس کا جواب نہیں سن پاتا۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو بے انتہا صدمات کا سامنا کرنا پڑا، یہ صدمات جسمانی بھی تھے اور روحانی بھی، دورانِ سفر دشمن کا ظلم و ستم ہر قدم پر موجود تھا بلکہ اس میں ہر لحہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

سفر شام کے دوران قافلہ پر بے حد ظلم ڈھایا جاتا، قافلہ کو بڑی تیزی کے ساتھ چلایا جاتا، بلکہ کبھی کبھی تو شب بھر بھی سفر جاری رہتا، اس سفر میں بچے اونٹوں یا دیگر جانوروں پر سوار کیے جاتے تھے۔

کوفہ شہر میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا داخل ہونا اور عبیداللہ بن زیاد کا مسندِ امارت پر بیٹھنا، یہ سب معمولی واقعات نہ تھے، یہیں پر آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن رہ چکے تھے، اب انہیں اسی دارالامارۃ میں حاضر کیا جا رہا تھا، وہ دارالامارۃ جہاں کبھی ان کے والد مکرم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے، اب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو وہاں ابن زیاد کو بیٹھا دیکھنا تھا،

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی آنکھیں اشک بار ہوئیں، مگر انہوں نے آنسوؤں کو آنکھوں کے حصاروں میں مقید کرلیا، ایک آنسو بھی ادھر سے ادھر نہ ہو سکا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے آنسو بہہ نکلیں اور دشمنوں کو خوشی کا کوئی موقع میسر ہو، انہوں نے اپنے دست مبارک سے اپنے زخمی اور تڑپتے ہوئے دل کو تھام لیا، خود کو سنبھالا۔

کوفہ شہر میں اسیران کربلا کو بڑی مسجد کے پہلو میں رکھا گیا، یہ نظر بندی اور قید حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے بڑی ہی غیر معمولی اور غیر فطری بات تھی، کہاں آل علی رضی اللہ عنہ اور کہاں قید خانہ، اسیران کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا جم غفیر اکٹھا ہونے لگا۔

شام کے روحانی صدمات کوفہ سے زیادہ شدید تر تھے، اسیران کربلا کو قید کر دیا گیا تھا، تمام روحانی اور جسمانی صدمات کے ساتھ انہیں بھوک کی سختی بھی برداشت کرنا پڑ رہی تھی، دشمن کا سلوک انتہائی حقارت آمیز تھا، اسیری کے پورے عرصے میں معمول یہ تھا کہ ہر اسیر کے لیے دو روٹیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو دی جاتیں، جنہیں آپ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے بچوں میں تقسیم فرماتی تھیں، روٹیوں کی تعداد بمشکل بچوں کی تعداد کے برابر ہوتی، اس لیے یہ اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں کوئی بچہ بھوکا نہ رہ جائے، اکثر ایسا ہوتا کہ خود سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے کھانا نہ بچتا، یا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے حصہ کی روٹی کسی بچے کو دینا پڑتی، اور خود بھوک برداشت کرنا پڑتی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز یہ تھی کہ بچوں کے لیے غذا کافی نہ ملتی تھی، بچے جب ان سے کھانا مانگتے تو آپ رضی اللہ عنہا کو بڑی ذہنی و روحانی اذیت اٹھانا پڑتی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے حد بلند حوصلہ خاتون تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کو اپنی ذات اور اپنے استقلال پر مکمل تسلط حاصل تھا، وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ کس موقع پر کیا کرنا ہے، اور دشمنوں کی طرف سے کس سلوک کی توقع ہو سکتی ہے۔

۞
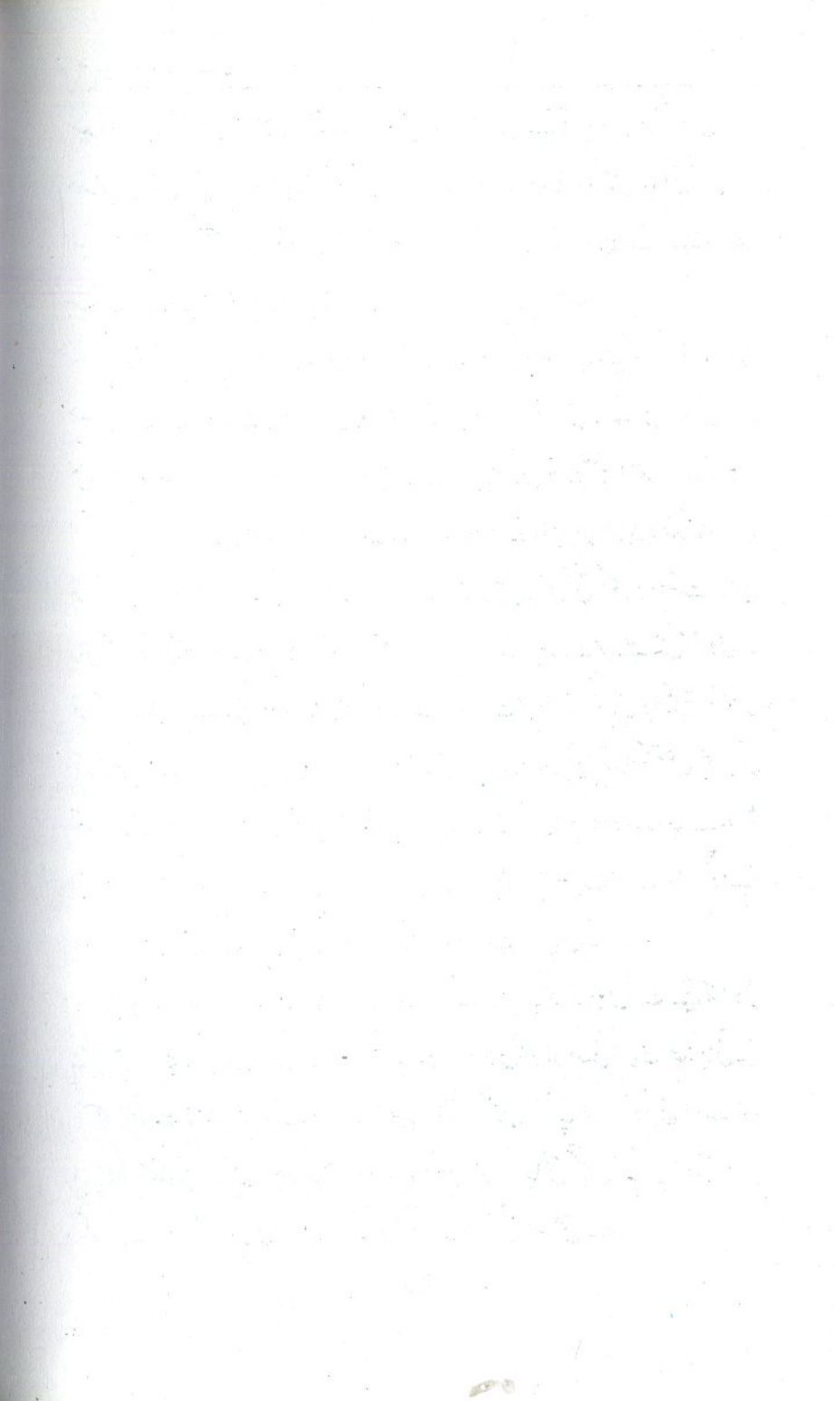
# حصہ دوم

# فصاحت و بلاغت...... خطبات

- فصاحت و بلاغت
- دربارِ یزید میں
- کوفہ کے بازار میں خطبہ
- خطبہ کے اہم نکات و تفصیل
- آغازِ خطبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا
- اہمیت خطبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا
- دربارِ ابن زیاد
- دربارِ یزید میں خطبہ
- دربارِ یزید میں خطبہ زینب رضی اللہ عنہا
- خطبہ دربار یزید کی مختصر تشریح

# فصاحت و بلاغت

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اکثر کمالات و اقدار آپ رضی اللہ عنہا کی فصاحت و بلاغت کلام میں پائے جاتے ہیں، ان فصاحت کی غرض و غایت روشنی کلام، سخن فہمی، سلاست بیاں، انتخاب الفاظ اور ان کے معنی میں ملتی ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا کلام نثر میں ہے، لیکن یہ نثر نظم جیسی ہے، جو اہل سماعت کے لیے مفہوم کی وضاحت کی ذمہ دار اور نکتہ سنج لوگوں کے لیے بلند ترین ادبی مقام ہے۔

یزید کے دربار میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مئوقف پر مورخین محو حیرت اور مستعجب ہیں، ابن حجر اپنی تصنیف الاصابہ میں ج 8، ص 100 میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قلب کی مضبوطی اور قوت استدلال پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

حافظ خزیمہ اسدی روایت کرتے ہیں:

> ''حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں کوفہ گیا تو سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا سے بہتر تقریر کرنے والا میں نے کسی کو نہ پایا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان تھی، جو ان کے دہن سے بول رہی تھی۔'' (البیان والتبیین)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا لطف اور مہربانی میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی مانند اور علم و پرہیز گاری میں اپنے والد ماجد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشابہہ

ہیں، بعض روایات سے ہمیں پتہ چلتا ہے:

''ان کی ایک علمی انجمن تھی، جس میں خواتین ان کے پاس دین کے احکام سیکھنے جاتی تھیں۔''

ان نمایاں اوصاف نے جو اس زمانے کی کسی عورت میں بیک وقت نہیں پائے جاتے تھے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دوسروں پر ممتاز کر دیا تھا، اسی لیے انہیں عقیلہ بنی ہاشم کہا جاتا تھا، اور ان سے لوگ علم حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

''ہماری عقیلہ زینب دختر علی (رضی اللہ عنہا) نے یہ حدیث بیان کی اور یہ لقب ان پر ایسا منطبق ہوا کہ وہ ''عقیلہ'' کے نام سے شہرت دوام حاصل کر گئیں، اور ان کی اولاد اس لقب کی طرف منسوب ہو کر ''بنی عقیلہ'' کہلاتی تھی۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جرأت و بلاغت کے بارے میں ابوالنصر لبنانی نے جو کچھ کہا ہے وہ یوں ہے:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی قوت اور زور دلائل جو واقعہ کربلا اور اس کے بعد نیز آپ رضی اللہ عنہا کی جرأت و بلاغت کلام ایسے بلند درجہ پر ہیں، جن کی نظیر نہیں ملتی، اور مورخین و مصنفین سب اس حقیقت پر گواہ ہیں۔''

(فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

اوراق تاریخ میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا سے پہلے بہت سی ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے، جو اپنی مدلل گفتگو اور خطبات کے لیے مشہور ہیں، لیکن تاریخ کا فیصلہ ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا کے بعد کوئی اور خاتون منظر عام پر نہیں آئی، جس نے

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جیسی فصاحت و بلاغت سے دامن سخن کو سنوارا ہو، آپ رضی اللہ عنہا کے دوران خطاب یوں لگتا گویا وہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، جومحو خطابت ہیں، اور مورخین نے کوفہ میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطبات میں جلوۂ علی رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ کیا۔

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا مقام احتجاج میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی مانند کلام کرتی تھیں، اور بیان حق و منازل منطق و استدلال میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح گفتگو فرماتی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کی فصاحت و بلاغت بے نظیر اور ثبوت و دفاع حق کی خاطر آپ رضی اللہ عنہا کے دلائل و براہین بے مثل ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فطرۃً ادیبہ ہیں، ایسی ادیبہ کہ مصائب و آلام کے بھنور میں، مشکلات و مظالم کے سمندر میں بھی حسن کلام و قافیہ سخن کو ہاتھ سے نہ جانے دیتیں۔ تمام تکالیف دہ حالات میں ادیبانہ گفتگو کا آپ رضی اللہ عنہا کو ملکہ حاصل تھا، ابن زیاد کے دربار میں آپ رضی اللہ عنہا نے ایسی گوہر بار زبان میں خطاب فرمایا کہ وہ ظالم حیران و پریشان ہو گیا، اسے فرار کی کوئی راہ سجھائی نہ دی تو وہ تمسخر کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے اردگرد کے لوگوں سے کہنے لگا:

"دیکھو! کیسی قافیہ دار گفتگو کرتی ہے۔"

یہ اندازِ گفتگو سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد ماجد سے وراثت میں ملا تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ہجوم حزن و غم میں فی البدیہہ ایسا کلام کیا، جس کے اثر سے سننے والے ہل کر رہ گئے، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد سے کہا:

"تم نے ہمارے سردار و آقا کو قتل کیا، ہمارے عزیزوں اور پیاروں میں سے کسی کو نہ رہنے دیا، ہماری شاخوں کو کاٹ ڈالا، ہماری جڑوں کو کاٹ ڈالا، اگر تیرے درد کا علاج اسی میں تھا تو اس درد سے شفایابی اور اپنے

آپ کو سکون دے لیا۔" ("تاریخ کبریٰ، ج:7، ص:372)

آپ رضی اللہ عنہا کے نوحہ کا انداز کلام بھی اسی طرح کا ہے، فرماتی ہیں:

"یا محمداہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فرشتوں نے صلوٰۃ پڑھی، یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حسین (رضی اللہ عنہ) ریت اور خون میں آلودہ پڑا ہے، اس کے اعضاء کاٹ دیے گئے ہیں، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) اور فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کے پاس فریاد کرتی ہوں۔" (چہرہ خونین حسین رضی اللہ عنہ)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے دربار یزید میں بھی قرآن مجید کے حوالہ سے مدلل بلاغت کا اظہار فرمایا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر اپنی خاندانی، کراماتی گفتگو کا مظاہرہ کیا، ثبوت حق وصداقت پیش کیا، اور ظالموں کو ذلیل وحقیر کر دیا ایسی بلیغ تر خطابت کسی نے نہ دیکھی تھی۔

یہ فصاحت و بلاغت کے چشمے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قلب اطہر سے پھوٹ رہے تھے، یہ تمام گفتگو اللہ جل جلالہ کے دین کی خاطر ہو رہی تھی، اس لیے ان الفاظ نے سننے والوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

یہ خطابت بھی اسی طرح تھی، جس طرح بازار کوفہ میں کی گئی تھی، ابھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے دو تین جملے ہی نکلے تھے کہ لوگ زاروقطار رونے لگے، کچھ دیر نہ گزری تھی کہ لوگوں کے قلوب سے ایسی صدائیں اٹھنے لگیں:

"اے خون حسین (رضی اللہ عنہ) کا انتقام لینے والو اٹھو۔"

سیدہ زینب الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آغاز کلام اللہ رب العزت کے پاکیزہ ومقدس نام سے کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہا کی حرکات دانہ ہائے تسبیح کی حرکت کی مانند مسلسل تھیں، یہ کلام دشمن کے لیے تیز دھار کاٹ دار تلوار، عوام الناس کا رہنما، خواتین کے لیے موقع ہدایت اور مختلف طبقات سامعین کے لیے انقلاب انگیز ثابت ہوا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی خطابت نے اجسام میں لرزہ پیدا کر دیا، لوگوں کی آوازیں ان کے حلقوم میں پھنس گئیں، ایک شخص جو دربار کوفہ میں موجود تھا، جب اس نے ان پردہ نشین کا کلام سنا تو وہ بے اختیار رو دیا، وہ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا:

''میرا باپ آپ (رضی اللہ عنہا) پر قربان، آپ (رضی اللہ عنہا) کی خواتین بہترین خواتین ہیں، آپ (رضی اللہ عنہا) کے جوان بہترین جوان ہیں، آپ (رضی اللہ عنہا) کے پختہ سال بہترین پختہ سال ہیں۔''

اس گفتگو کی اہمیت اس حقیقت سے عیاں و مترشح اور آشکار ہوتی ہے کہ یہ باتیں ایک اسیر خاتون کے دہن مبارک سے نکل رہی تھیں، یہ ایسی باتیں تھیں کہ اکثر کسی فاتح کی زبان سے ادا ہوتیں تب بھی باعث تعجب ہوئے بغیر نہ ہوتیں، کسی رئیس سلطنت کو بھی اپنی شان و شوکت کے باوجود ایسی پُر ہیبت و پُر جلال گفتگو کی قوت، حوصلہ، مجال اور توانائی نہ تھی، کوئی مصیبت زدہ اپنے اضطراب و غم کی حالت میں کیسے یہ باتیں کہہ سکتا ہے!

آخر وہ وقت آیا کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے جدِ بزرگوار رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رسالت کے منزل نصیحت و وعظ کو اپنایا۔

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت کی تربیت یافتہ تھیں، آپ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی گود میں پرورش پائی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نور دیدہ تھیں، آخر ان سب مقدس و محترم ہستیوں نے اپنے دور حیات میں بنی نوع انسان کے لیے کیا کچھ نہ کیا تھا، کیا ان سب نے مخلوق خدا کی خیر خواہی کے علاوہ بھی کوئی عمل اپنی حیات ہائے طیبہ میں انجام دیا تھا؟ کیا ان کے علاوہ بھی ان کی زندگیوں کا کوئی گوشہ سامنے آتا ہے۔

اب یہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں، جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی چشم و چراغ ہیں، اب یہ خود نصیحت و موعظہ کی منزل پر ہیں کہ شاید گم کردہ راہ لوگ راہ ہدایت راست اختیار کر لیں، اس کیفیت میں آپ رضی اللہ عنہا کی نظروں میں دوست اور دشمن دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں، اس وقت آپ رضی اللہ عنہا باران رحمت پروردگار کی مانند ہیں، جو اپنی نعمات و رحمت کو ہر مقام پر برساتا ہے حتیٰ کہ زمین شور بھی اس سے محروم نہیں رہتی۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے شام میں اپنے خطبہ میں یزید کو آخرت کا خوف دلایا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اسے تاریخ کی دست برد اور حسابِ دنیا کا خوف دلاتے ہوئے فرماتی ہیں:

"اس دن سے ڈر جب اللہ رب العزت کی عدالت ہو گی، جس میں اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم طالب عدل و انصاف ہوں گے، اس وقت تیرے جسم کے اعضاء و جوارح تیرے خلاف گواہی دیں گے، یہ وہ دن ہو گا جس کے بارے میں تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ظالموں کا انجام کیا ہو گا۔"

(شام میں خطبہ زینب رضی اللہ عنہا)

اس خطبہ میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا یزید کو آخرت کا خوف دلاتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں:

"بدکاروں کی عاقبت دوزخ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔"

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُ وا السُّوْآى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

"آخر کاران کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی بہت برا ہوا کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔"

(سورہ الروم: 10)

اس آیت سے یزید کا کردار واضح ہو جاتا ہے، اور واقعہ کربلا پر روشنی

پڑتی ہے، کیونکہ یہ قرآن کا فیصلہ ہے اور وعدہ خداوندی ہے، یزید کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ نام کا بھی مسلمان ہے تو اس حکم کو تسلیم کرنا اور اس پر یقین کرنا ہو گا، اور اگر ایمان نہیں رکھتا تو پھر اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کے لیے تیار کر لے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''تو بالکل آزاد ہے، جس طرح چاہے عمل کرے، جو تجویز بھی تجھ سے ممکن ہو بروئے کار لے آ، اپنی پوری قوت اپنے شیطانی طریق میں صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم! ہر گز ممکن نہیں کہ تو ہمارے نام اور ہمارے اسوہ کو دنیا سے محو کر سکے یا مٹا پائے۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے مواعظ و نصائح اور اپنے پیغام کی ترسیل کی تصویر کشی اس طرح فرماتی ہیں گویا آپ خود اس جگہ موجود ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ مشاہدہ کر رہے ہوں، کیفیت اس قدر دردناک ہے کہ دشمن اسے نہیں دیکھ پا رہا، یہ بھی مبلغ کا ایک ہنر ہوتا ہے کہ سننے والے کو تصویر واقعہ کا حصہ بنا دے، واقعات و کیفیات کی تصویر کشی ہی وجدانِ مردہ کو زندہ کرنے کا سبب بنتی ہے، اور اسی وجدانی کیفیت میں احساس عذاب بیدار ہوتا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر بچے بھی ایسے دردناک واقعات میں موجود ہوں تو ایسے خوفناک حالات کے عادی ہو جاتے ہیں، اور ان کے نتائج کے تصور سے خود کو الگ نہیں کر پاتے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

''اگر تو یہ خیال کرتا ہے کہ آج ہمارے قتل سے تجھے کوئی فائدہ ہوا ہے تو یاد رکھ کل جب قیامت برپا ہو گی تو تُو اس کے نقصان سے دوچار ہو گا، جب سوائے تیرے اپنے اعمال کے کوئی چیز تیرے

پاس نہ ہو گی، یہ وہ دن ہو گا جب تو اور تیرے پیرو عدلِ پروردگار کے سامنے حاضر کیے جائیں گے، اس دن تو دیکھے گا تُو رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے قتل کا مرتکب ہوا ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس لب و لہجہ میں گفتگو کر رہی تھیں، اور وہ تبلیغ کا یہ پہلو اس لیے اختیار کیے ہوئے تھیں کہ آپ رضی اللہ عنہا مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھ رہی تھیں، آنے والے حوادث سے بخوبی آگاہ و مطلع ہو چکی تھیں، انہیں اس کا مکمل فہم و ادراک ہو چکا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اور اس کا ردعمل کیا ہو گا۔

سیدہ زنیب کبریٰ رضی اللہ عنہا اس مئورخ کی طرح تھیں، جو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور ان کے نتائج کی پیش بینی کر رہا ہوتا ہے، اور تاریخ کے دھارے کی طرف پوری طرح متوجہ اور اس سے خبردار ہوتا ہے، آئندہ پیش آنے والے واقعات کے قطعی ہونے کے بارے میں ان کی نشاندہی کرتی تھیں، اور اپنی گفتگو اور لہجہ کو مستحکم کرتے ہوئے یزید کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں:

"تُو نے اپنے کام کو انجام تک پہنچا دیا، اپنی خواہشات کو پورا کر لے، جو بھی کر سکتا ہے کر گزر، لیکن خدا کی قسم! اپنے خیال میں تو نے جو ہماری رسوائی و تذلیل کرنا چاہی ہے اس کا داغ تیرے دامن سے نہیں مٹ سکتا، تُو ہمارے ساتھ اس سلوک کی بدنامی کو ہرگز ہرگز نیک نامی میں نہیں بدل سکے گا۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے چودہ سو سال قبل ایسے درس آموز مواعظ بیان فرمائے تھے، یہ سب باتیں آپ رضی اللہ عنہا نے دشمن کے گوش گزار کی تھیں، حالات بھی ایسے ہی ناگوار تھے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی

باتیں اپنے اندر ایک دنیا کو سموئے ہوئے ہیں، یہ باتیں ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگوں پر صادق آتی ہیں، ان باتوں کا اثر جاودانی ہے، یہ باتیں کسی خاص موقع یا زمانے کے لیے نہیں ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ہی دنیا کے لیے سبق آموز ہوں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا درس پوری نوع انسانی پر محیط ہے، نیک ہوں یا بد، انسانیت کا پیکر ہو تو اسے اس کا ادراک ہو جائے گا کہ ہر خیانت کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، اور ہر عمل کا ردعمل، اچھا ہو یا فاسد، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۞

# دربارِ یزید میں

شہید کرنے کے بعد کوفیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بدن مبارک کے کپڑے تک اتار لیے، پھر آپ رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طرف بڑھے، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ بستر پر بیمار پڑے تھے شمر بن ذی الجوشن اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ پہنچا اور کہنے لگا:

''اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟''

لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی اور کہا:

''کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟''

اسی اثناء میں عمرو بن سعد بھی آ گیا اور حکم دیا:

''کوئی عورتوں کے خیموں میں نہ گھسے، انہیں کوئی پریشان نہ کرے، جس نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے۔''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنی بیمار زبان سے کہا:

''عمرو بن سعد! خدا تجھے جزائے خیر دے، تیری زبان نے ہمیں بچا لیا۔''

عمرو بن سعد کو حکم تھا:

''حسین (رضی اللہ عنہ) کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔''

اب اس کا وقت آیا، اس نے پکار کر کہا:

''اس کام کے لیے کون تیار ہے؟''

دس آدمی تیار ہو گئے، اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا۔

اس جنگ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بہتر جاں نثار شہید ہوئے اور کوفی فوج کے اٹھاسی قتل ہوئے۔ (ابن جریر، کامل یعقوبی)

دوسرے دن عمرو بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا، اہل بیت کی خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا، قرہ بن قیس (جو عینی شاہد ہے) روایت کرتا ہے:

''ان عورتوں نے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکوں اور عزیروں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں، اور چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہو گئیں، میں گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا، مجھے زینب بنت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا:''

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسین (رضی اللہ عنہ) ریگستان میں پڑا ہے!

خاک و خون سے آلودہ ہے! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے!

تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہے! ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے؟''

راوی کہتا ہے:

''دوست و دشمن کوئی نہ تھا، جو ان کے بین سے رونے نہ لگا ہو۔''

پھر تمام شہداً کے سر کاٹے گئے، کل 72 سر تھے، شمر بن ذی الجوشن، ابن

الاشعت، عمرو بن الحجاج، غرمرہ بن قیس، یہ تمام سردار عبیداللہ بن زیاد کے پاس سر لے کر گئے۔

حمید بن مسلم جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کوفہ میں لایا تھا، روایت کرتا ہے:

''حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا، مجلس حاضرین سے لبریز تھی، ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ (رضی اللہ عنہ) کے لبوں پر مارنے لگا، جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) پکار اٹھے:''

''ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے، قسم خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لب ہائے مبارک ان لبوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔''

یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے، ابن زیاد خفا ہو گیا اور بولا:

''خدا تیری آنکھوں کو رلائے! واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے:

''اے عرب! آج کے بعد تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو قتل کیا، ابن مرجانہ (عبیداللہ) کو حاکم بنایا، وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے، تم نے ذلت پسند کر لی، خدا انہیں مارے، جو ذلت قبول کرتے ہیں۔''

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات اگلے ابواب میں تفصیل سے بیان کیے جائیں گے، اس باب میں اختصار سے کام لیا جا رہا ہے۔

بعض روایات میں درج بالا واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔

راوی کہتا ہے:

''جب اہل بیت کی خواتین اور بچے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی سادہ لباس پہنا ہوا تھا، وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں، ان کی کنیزیں انہیں اپنے درمیان میں لیے ہوئے تھیں۔''

عبیداللہ بن زیاد نے پوچھا:

''یہ کون بیٹھی ہے؟''

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، تین مرتبہ یہی سوال کیا، مگر خاموش رہیں، آخر ان کی ایک کنیز نے کہا:

''یہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''

عبیداللہ بن زیاد ان کی پریشانی پر خوش ہوتے ہوئے چلایا:

'اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا اور تمہارے نام کو داغ لگایا۔''

اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''ہزار ستائش اس خدا کے لیے! جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا نہ کہ جیسا تو کہتا ہے، فاسق رسوا ہوتے ہیں، فاجروں کے نام کو داغ لگتا ہے۔''

عبیداللہ بن زیاد نے کہا:

''تُو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ بولیں:

''ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی، اس لیے وہ مقتل میں پہنچ گئے، عنقریب خدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا، اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے؟''

عبیداللہ بن زیاد غضب ناک ہوا، اس کا غصہ دیکھ کر عمر بن حرث نے کہا:

''خدا امیر کو سنوارے! یہ تو ایک عورت ہے، عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیے۔''

پھر کچھ دیر بعد عبیداللہ بن زیاد نے کہا:

''خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔''

اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں، بے اختیار رو پڑیں انہوں نے کہا:

''واللہ! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا؟ میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں، میری جڑ اکھاڑ دی، اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے۔''

عبیداللہ بن زیاد نے مسکرا کر کہا:

''یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔''

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے میں جو کچھ کر رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہے۔''

اس گفتگو سے فارغ ہو کر عبیداللہ بن زیاد کی نظر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ بن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر پڑی، یہ بیمار تھے، عبیداللہ بن زیاد نے ان سے ان کا نام

پوچھا، انہوں نے کہا:

''علی (رضی اللہ عنہ) بن حسین (رضی اللہ عنہ)۔''

عبیداللہ بن زیاد نے تعجب سے کہا:

''کیا اللہ نے علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل نہیں کر ڈالا؟''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا، عبیداللہ بن زیاد نے کہا:

''بولتا کیوں نہیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی (رضی اللہ عنہ) تھا، لوگوں نے اسے مار ڈالا۔''

عبیداللہ بن زیاد نے کہا:

''خدا نے مارا ہے۔''

اس پر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

''اور ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیے جاتے ہیں۔'' (سورہ آلِ عمران:169)

اس پر عبیداللہ بن زیاد چلایا:

''خدا تجھے مارے! تو بھی انہی میں سے ہے۔''

پھر اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے چاہا انہیں قتل کر ڈالے لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں:

''میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر مومن ہے، اور اگر اس لڑکے کو

ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ مار ڈال۔"

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا:

"اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ رکھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا، جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ رکھے۔"

عبیداللہ بن زیاد دیر تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا رہا، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

"رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے، واللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے اس لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے، اچھا لڑکے کو چھوڑ دو، یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔" (ابن جریر)

اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔

غاز بن ربیعہ کہتا ہے:

"جس وقت زحر بن قیس پہنچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا، یزید نے اس سے سوال کیا:"

"کیا خبر ہے؟"

قاصد نے جواب دیا:

"فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں، حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ساٹھ ساتھیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے، ہم نے انہیں بڑھ کر روکا، اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں، انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی، چنانچہ

ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلہ بول دیا، جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر عقاب سے بھاگتے اور چھپتے ہیں، پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا، اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں، ان کے لباس خون میں تر بتر ہیں، ان کے رخسار غبار سے پیلے ہو رہے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں، گدھوں کی خوراک بن رہے ہیں۔"

راوی کہتا ہے:

"یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، کہنے لگا:"

"بغیر قتل حسین (رضی اللہ عنہ) کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت، واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین (رضی اللہ عنہ) سے ضرور در گزر کرتا، خدا حسین (رضی اللہ عنہ) کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہ دیا۔ (ابن جریر کامل، تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے:

"جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا:

یغلقن ھاما من رجال اعزۃ

علینا وھم کانوا احق واظلما

"تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل

وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔“

پھر کہا:

”واللہ! اے حسین (رضی اللہ عنہ) اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہر گز قتل نہ کرتا۔“

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا، شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سردار تھے، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ راستہ بھر خاموش رہے، کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

یزید کے محل کے دروازہ پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا:

”میں امیر المومنین کے پاس فاجروں کو لایا ہوں۔“

یزید یہ سن کر خفا ہوا اور کہنے لگا:

”محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا۔“

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا، اہل بیت کو بھی بٹھایا، اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا:

”اے علی (رضی اللہ عنہ) تمہارے ہی باپ نے میرا راستہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی، اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔“

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا:

”اللہ جل جلالہ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:“

”تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو، یہ خدا کے لیے بالکل آسان ہے، یہ اس لیے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔“

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا، اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے، مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، تب یزید نے خالد سے کہا:

''کہتا کیوں نہیں۔''

''جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔''

پھر یزید دوسرے بچوں اور خواتین کی طرف متوجہ ہوا، انہیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا، ان کی حالت خراب ہو رہی تھی، دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا:

''خدا ابن مرجانہ کا برے کرے! اگر تم سے اس کا رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمہیں میرے پاس بھیجتا۔''

دیر تک خاموشی رہی، پھر یزید شامی روسائ اور امرائ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

''ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟''

بعض لوگوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا، مگر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ان کے ساتھ وہی کیجئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے یزید! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں۔''

اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی، وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے، بالآخر یزید نے حکم دیا:

''ان کے قیام کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کیا جائے۔''

اسی اثناء میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں خواتین کو بھی معلوم ہوگئی، نہد بنت

عبداللہ یزید کی بیوی نے چہرے پر نقاب ڈالا اور باہر آ کر یزید سے کہا:

"امیر المومنین! کیا حسین بن فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر آیا ہے؟"

یزید نے کہا:

"ہاں! تم خوب روؤ، بین کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو، ابن زیاد نے بہت جلدی کی، قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کرے۔"

# کوفہ کے بازار میں خطبہ

اوراق گزشتہ میں پردہ نشین سیدہ زینب بنت بتول رضی اللہ عنہا کے بازار کوفہ میں خطبہ کی تفاصیل متعدد مورخین کے حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے جا چکے ہیں، اس خطبہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اسیری کا پختہ ترین ثبوت ہے۔

اس باب میں سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خطبہ کا متن پیش کر رہے ہیں، اس کے ساتھ اس خطبہ کی مختصر ترین تشریح بھی قلم بند کی جائے گی۔

بشیر بن خزیمہ الاسدی جو اسی روز کوفہ پہنچا تھا، وہ اس وقت بازار میں موجود تھا، وہ کہتا ہے:

''میں نے اس روز دختر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، خدا کی قسم! اس دن میں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ باعفت و باحیا گفتگو کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان سے گویا ہیں۔

پھر میں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا اس طرح فرما رہی تھیں:''

''تمام حمد و ثناء اللہ رب العزت کی ذات اقدس کے لیے مخصوص ہے، درود و رحمت پروردگار ہو میرے پدر بزرگوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور ان کے پاک خاندان پر جو دنیا میں ممتاز افراد ہیں۔

حمد پروردگار کے بعد اے کوفہ کے رہنے والو!

اے وہ لوگو! جو مکرو فریب اور دھوکے کے عادی اور فضول گوئی کے عادی ہو، کیا تم ہمارے مصائب پر آنسو بہاتے ہو، کاش تمہاری آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خشک نہ ہونے پائیں، تمہارے اشک و آہ کبھی ختم نہ ہو، یقیناً تمہاری داستان ایسی ہے جیسی اس نادان عورت کی تھی، جس نے اپنے رشتہ و تعلق کو استوار کرنے کے بعد توڑ ڈالا، تم نے بھی ہمارے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا، کیا تم میں فساد و خوشامد، خود بینی، نخوت اور تکبر کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟
کیا تم جاہلیت کے اخلاق وصفات کی طرف پلٹ گئے ہو، تمہارے کردار میں اب کنیز زادوں کی طرح خوشامد اور دشمنان دین کے نخرے اٹھانے کے سوا اور کچھ نہیں، کیا تم اس گھاس کی طرح نہیں ہو جو کوڑے کے ڈھیر پر اگتی ہے؟ یا تم اس کے سوا کچھ نہیں گویا چاندی کی کان مٹی میں چھپی ہوئی ہو، آگاہ رہو اور جان لو کہ تم نے خود اپنے لیے بدبختی فراہم کی ہے۔
مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اور شدت غضب تم پر آچکا ہے، اور تم اس عذاب خداوندی میں مستقل طور پر مبتلا رہو گے، کیا تم ہمارے عزیزوں کو قتل کرنے کے بعد اب روتے ہو؟
یقیناً خدا کی قسم! تمہیں رونا ہی چاہیے، پس تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو، تم نے اپنے لیے ننگ و عار خرید لیا اور اپنے دامن میں ننگ و عار کا پیوند لگایا، ایک ایسا پیوند اور دھبہ کہ جس کو اپنے دامن سے دھو ڈالنا تمہارے لیے ہرگز ممکن نہیں، تم سے کیسے ممکن ہے کہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان جو رسالت کی جان اور عظیم ترین رسالت کے معدن ہیں، اور قتل حسین (رضی اللہ عنہ) جو جوانان اہل بہشت

کے سردار ہیں، تم نے اسے قتل کیا، جو تمہارے لیے پناہ اور تمہاری ہدایت کا چراغ تھا، جو تمہارے لیے بلا و مصیبت کے طوفانوں میں تمہاری اعانت و سکون کا منبع تھا، وہ تمہارے لیے روشنی بخشنے والا چراغ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت تھا، وہ تمہارے لیے سنتوں کا مرکز و محور تھا، جان لو کہ تمہارا جرم بہت سنگین ہے، خدا کرے تم خیر و سعادت سے محروم رہو، تمہاری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوں، تمہارے ہاتھ کٹ جائیں، اس گناہ عظیم اور شدید نقصان سے دوچار ہو، تم نے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا مستحق قرار دیا، ذلت و شکست کے تازیانے ہمیشہ تمہارے سروں پر پڑتے رہیں گے، تم نے بدترین کام انجام دیا، جس کے باعث خوف ہے کہ آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں، زمین پھٹ جائے اور پہاڑ اس میں سما جائیں۔

اے اہل کوفہ! وائے ہو تم پر! کیا تم جانتے ہو تم نے رسول اللہ ﷺ کے جگر کو زخمی کیا، تم نے کس طرح ان کی ہتک حرمت کی؟ تم نے کیسے ان کا خون بہایا؟ کس طرح تم نے ان کے پردۂ حرمت کو پھاڑ ڈالا؟ تم ایک بہت بڑے گناہ اور جرم کے مرتکب ہوئے ہو، پریشان و حیران کن ایسے گناہ جنہوں نے زمین کو بھر دیا، جو آسمان پر چھا گئے اور اسے تاریک کر دیا، اگر اس غم میں آسمان سے خون برسنے لگے تو کیا تم تعجب کرو گے؟

پھر بھی عذاب خدا آخرت میں سخت تر اور ذلت آور ہوگا، اس دن کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں اٹھے گا، تمہارے عذاب میں اللہ نے جو تمہیں مہلت دی ہے اس سے یہ نہ سمجھو کہ اس نے

تمہارے گناہوں کو چھوٹا جانا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سزا دینے کے لیے جلدی و تیز اقدام نہیں کرتا، اس بات میں اسے (اللہ کو) کوئی حرج نہیں کہ خون مظلوم کے انتقام میں تاخیر فرمائے، تاہم اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے لیے قریب اور ان کی گھات میں ہے۔''

(بلاغات النساء، ص:123، اعلام النساء، تاریخ طبری، ج:7)

## خطبہ کے اہم نکات و تفصیل

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطبہ کے راویان میں ایک نام خزیمہ اسدی کا ملتا ہے، جس کا سب مورخین نے ذکر کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں 61ھ میں کوفہ آیا، میرا کوفہ آنے کا زمانہ حسن اتفاق سے وہی تھا، جب اسیران آل رسول کوفہ میں داخل ہوئے تھے، ان اسیروں کے درمیان میں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔

خدا کی قسم! میں نے اس دن سے پہلے ایسی نجیب و صاحب حیا پردہ نشین و عفیف اور گفتگو کرنے والی عورت کبھی نہ دیکھی تھی، اس قدر شجاعانہ گفتگو کر رہی تھی گویا اپنے دہن مبارک میں زبان علی (رضی اللہ عنہ) رکھتی ہوں۔'' (بلاغات النساء، ص:13)

اسیران کربلا کا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا، یہ قافلہ پانچ حصوں پر مشتمل تھا۔

① طبل بجانے والے اور باجوں والے آگے آگے تھے، جو ہمیشہ کسی لشکر کے شان کے مظہر ہوتے ہیں، یہ بات عربوں کی رسومات کے عین مطابق تھی۔

② اس کے بعد شہدأ کے کٹے ہوئے سر آئے، جو نیزوں پر نصب تھے، اور ہر نیزہ

ایک فوجی سوار کے ہاتھ میں تھا۔

③ ان کے بعد اسیر خواتین اور بچے تھے۔

④ ان کے بعد عمرو ابن سعد جیسے افسر و امرا جو عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے واقعہ کربلا کے انعقاد اور سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قتل کے ذمہ دار تھے۔

⑤ عمرو ابن سعد کے لشکر کے سردار اور سالار جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے انصار ان کی شہادت کو انجام دینے میں پیش پیش تھے۔

## آغاز خطبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

جنگِ کربلا میں بچ جانے والے اسیران کوفہ میں داخل ہوئے، ان دنوں کوفہ کا حاکم ابن زیاد تھا، اس نے چاہا کہ اسیران کربلا کو اس طریق سے کوفہ میں داخل کیا جائے کہ اس کی عظیم الشان فتح و کامیابی لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دے، اور اہل کوفہ پر اس کی دھاک بیٹھ جائے، اور عوام کی توجہ اس کی بہادری پر مرکوز ہو، تا کہ وہ ان کے سامنے اپنے غرور اور تکبر کا مظاہرہ کر سکے۔

کوفہ کے شہر میں ان دنوں عجیب تماشا تھا، کوفہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں لوگوں کا ایک اژدھام تھا، ہزاروں مرد و خواتین یہ منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو چکے تھے، یہ لوگ خوب شور وغل مچا رہے تھے، اور اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کر رہے تھے، لوگ اسیران کربلا کے قافلے کے منتظر تھے کہ اسیران کربلا کا قافلہ شہر کے وسط میں آ پہنچا، اس وقت سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں اپنی انگشت سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، دوسرے ہی لمحے لوگوں کا وہ شور وغل یک لخت خاموشی کی چادر میں چھپ گیا، اور اس قدر سکوت طاری ہو گیا کہ سینوں میں سانس اٹک کر رہ گئے، یہاں تک کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی آوازیں

بھی سنائی نہ دیتی تھیں۔

اب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خطبہ کی ابتداء کی، آپ رضی اللہ عنہا نے اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء کے بعد خطبہ کی ابتدا کی، اپنا تعارف اولاد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت سے کروایا، جس کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت و درود کو لازمی قرار دیا، یہ سن کر لوگ چوکنا ہو گئے، ان کی سماعت میں تیزی آ گئی، اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے:

''یہ خاتون (رضی اللہ عنہا) کیا کہہ رہی ہے؟ کیا واقعی یہ خاتون خاندان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک فرد ہے؟''

اس کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو ملامت کیا ان کی سرزنش کی، اور ان کا تعارف مکر و حیلہ اور فریبیوں کے طور پر کرایا، یہ اس لیے تھا کہ اہل کوفہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مکر و فریب سے جھوٹے خطوط لکھ کر کوفہ بلوایا تھا، اور پھر ان کے ساتھ غداری کے مرتکب ہوئے، یہ اہل کوفہ کی ہی دعوت تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر صف آراء ہوئے تھے۔

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں:

''یہ اس لیے ہے کہ تم لوگوں نے بے انتہا مکروفریب کے ذریعے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی، تم لوگوں نے جھوٹ بولا تھا، تم لوگوں نے فریب کیا تھا، ظالم اپنے ظلم کو قبول کر کے اقدام کرنے والے ''منظّم'' دونوں دوزخ کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔''

لوگ دم بخود تھے، ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے، لوگوں میں گہرا سکوت طاری تھا، ہر لب خاموش تھا، وہ کہتے بھی تو کیا کہتے، یہ سچ تھا، انہوں نے

ایسا ہی کیا تھا، پھر وہ اپنی صفائی میں کہتے تو کیا کہتے، ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا، ندامت سے ان کے سر جھکتے چلے جا رہے تھے، سسکیاں سینوں میں گھٹی گھٹی بلند ہو رہی تھیں، آنکھوں کا سل رواں بہنے کے لیے بے تاب تھا، پھر وہ جذبات و ہیجانات کی شدت سے پھوٹ پڑے، ہر آنکھ اشکبار تھی، آنکھوں کے سیلاب کا بند ٹوٹ رہا تھا، آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

یہ دیکھ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں مزید ملامت کرتے ہوئے کہا:

''اب تم روتے ہو؟ اب تمہارے رونے کا یہ کون سا موقع ہے؟ تمہارے طاقتور و باہمت لوگ ہمت سے عاری ہو گئے، تمہارے ذی عزت لوگوں نے اپنی عزت و مقام سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے باوفا ساتھیوں کی کوئی مدد نہیں کی، انہیں جنگ میں جھونک دیا، اور یوں وہ سب کربلا کے میدان میں شہید کر دیے گئے، اب تمہاری اس چیخ و پکار اور دہائی کا کیا مطلب؟

یہی وجہ ہے کہ اہل کوفہ اس بوڑھی و ناتواں عورت کی مانند ہیں، جس نے اپنے دھاگے بہت محکم اور مضبوط بنائے، دن بھر وہی کرتی رہی اور رات کو خود اپنے ہاتھوں سے انہیں کھول کر پریشان کر دیا۔

اہل کوفہ نے بھی اسی نہج پر اپنے معاہدوں اور اپنے پیمان کو محکم و استوار کیا اور پھر خود ہی انہیں آناً فاناً شکستہ کر دیا۔

اس لیے اے اہل کوفہ! اب تمہارا یہ رونا مکاری کا رونا ہے، یہ خوشامد اور بے جا تعریف ہے، اس ہتھیار کے ذریعے اب تم اپنے جرائم سے بری ہونا چاہتے ہو۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے خطبہ میں انہیں خبردار کیا:

''تم لوگوں نے اپنے لیے برائی کی بنیاد رکھ لی ہے، اپنے لیے بری روایات اور طریق کار اختراع و ایجاد کر لیے ہیں، اپنی جھولیوں میں ننگ و بے عزتی بھری ہے، اس کے داغ کبھی بھی تمہارے دامن سے نہ دھل سکیں گے، اس لیے تم رو رہے ہو، آنسو بہا رہے ہو، یہ اس لیے ہے کہ نسل رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے داغِ ندامت کو اپنے دامنوں سے تم کبھی نہیں مٹا سکتے۔''

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنا خطبہ سماعت کرنے والوں کو آگاہ کر رہی تھیں:

''ہر شخص حکومت کا اہل نہیں، امت کی رہنمائی ایسے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے جسے لوگوں میں سربلندی حاصل ہو، ان پر راست بازی، صلح جوئی ہو اور وہ لوگوں کی بہتری اور فلاح و بہبود کا خواہاں ہو، اس کی رائے پختہ اور کاٹنے والی ہو، جس کا انحصار منطق کے اصولوں سے برابری پر ہو، وہ مسلک و طریق ہدایت میں مقام رہبری کا مالک ہو۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے واشگاف اور صاف و واضح الفاظ میں فرمایا:

''موجودہ حکومت کے افراد شریر، فسادی، جھگڑالو اور اہل مکر و فریب ہوں، ظاہری طور پر اچھے دکھائی دیتے ہوں، لیکن باطنی طور پر فسادی، جھگڑالو اور ظالم ہوں۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے کوشش کی کہ برملا ان کے عظیم فساد یعنی قتل اولاد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے سامنے ظاہر کر دیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی یہ تمام باتیں عوام کے لیے نصیحت اور دردمند دل رکھنے والوں کے قلوب کا مرہم ثابت ہو رہی تھیں، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”حاکم کو عوام کے لیے پناہ گاہ ہونا چاہیے، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون عوام کی پناہ گاہ ہو سکتا تھا۔

حاکم کو چاہیے کہ آزمائش و مصیبت کے وقت لوگوں کی فریاد رسی کرے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہتر اس مقام کا حق دار کون ہو سکتا ہے؟

حاکم کے لیے لازم ہے کہ لوگوں کے لیے ہدایت کا چراغ، ان پر اللہ کی دلیل و برہان اور ان میں سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رائج کرنے والا پشت پناہ ہو اور سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہی ان اوصاف کے آزاد حامل تھے۔“

زہرا ثانی سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں ملامت کی:

”تم لوگوں نے اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار کو شہید کیا ہے، یوں تم لوگوں نے اپنے درمیان سے پناہ و ہدایت کو ہٹا کر عظیم ترین نا قابل تلافی نقصان کیا ہے، یہ نقصان اتنا بڑا اور مصیبت اتنی عظیم ہے کہ اس کے لیے اگر آسمان سے خون برسنے لگے تو یہ حق ہو گا، حاکم برحق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا گناہ، یعنی حکومت اسلامی جنبش و ہلچل کا جرم بہت زیادہ تاریک، غم ناک اور سیاہ ہے۔“

### اہمیت خطبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا خطبہ بہت سی سمتوں اور طرفین سے اہمیت کا حامل ہے، اس خطبہ کو درج ذیل بنا پر انتہائی اہمیت حاصل ہے:

① یہ خطبہ ایک اسیر خاتون کا ہے، جسے وہ ایک خونخوار دشمن کے سامنے دے رہی ہیں۔

② اس خطبہ میں ایسے مطالب سموئے ہوئے ہیں کہ اسیر بچے اور خواتین کی غم و درد سے زیادہ سے زیادہ واقفیت حاصل کریں۔

③ ایسے حقائق کی طرف توجہ دلانا لازم ہے کہ اسیران اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گرد نئے افراد دشمن جمع ہو کر ان کے لیے ظلم، نقصان اور گالی گلوچ ایجاد نہ کرنے پائیں۔

④ یہ تمام باتیں ایسی خاتون رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے نکل رہی ہیں، جو رنج و مصیبت میں مبتلا ہے، اور اپنے عزیز و اقارب کی شہادت کا صدمہ اپنے دل میں لیے ہوئے ہے۔

⑤ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تن سے جدا سر اور دیگر اعزأ کے سرہائے مظلوم ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ انہیں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں، جس سے ان کا غم دوبالا ہو رہا ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا یہ خطبہ ادبی اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے، اس میں ایسے استعارات وتشبیہات استعمال ہوئے ہیں جو سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی عظیم حسب موقع گفتگو، خوش کلامی و خوش بیانی اور موقع ومحل کی نشاندہی کرتے ہیں، درحقیقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اس خطبہ اور آپ رضی اللہ عنہا کے دیگر خطبات کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہا کی کوئی اور بات زینت تاریخ نہ بھی ہوتی تو یہ خطابت ہی آپ رضی اللہ عنہا کی لیاقت و قابلیت علم و ادب کی اظہار و ثبوت کے لیے کافی ہے۔

آپ غور فرمائیں اپنے اس خطبہ میں آپ رضی اللہ عنہا واضح کر رہی ہیں کہ یہ حکومت اس کنیز کے ناز و انداز کی طرح فریبی ہے، جو اپنے سینہ پر تباہ کن رنگا رنگ نشانات سجاتی ہے، جن کے پیچھے لوگوں کی بے جا ستائش و تعریف پوشیدہ ہوتی ہے، وہ کینہ، چاپلوسی، خوشامد، بے ہودہ گوئی و نامعقول فضول ہتھیاروں سے خود کو آراستہ کر کے

اپنے ناز ونخرہ اور خودنمائی کا سہارا لیتی ہے۔

اہل کوفہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے بخوبی واقف تھے، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہاں خلیفہ کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرتے رہے تھے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند اس شہر میں بڑے مناصب پر فائز رہے تھے، اور عوام کی خدمت کر چکے تھے۔

ابھی تک لوگوں کی سماعت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اذان دینے کی آواز گونج رہی تھی، خواتین کوفہ کو ابھی تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دروس اور آپ رضی اللہ عنہا کی مجالس یاد تھیں۔

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر اسیرئی دختر ان علی (رضی اللہ عنہ) تک ابھی بیس برس سے زائد عرصہ نہ گزرا تھا، اس لیے کوفہ کے مرد اور خواتین خاص طور پر وہ لوگ جن کی عمر تیس سال سے زائد تھی، جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بچشم خود دیکھا تھا، یا وہ خواتین جنہوں نے کم و بیش اپنے زمانہ لڑکپن میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا، ان کی عظمت و جلال، فقراء اور دردمند افراد کے ساتھ ان کی ہم نشینی وسلوک سے ہر طرح واقف و آگاہ تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب وہ اس حقیقت کے قریب ہوئے کہ یہ اسیران حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خانوادہ سے ہیں تو وہ از حد حیرت و استعجاب کا شکار ہو گئے، ان لوگوں کا بے اختیار دل بھر آیا، ہمدردی و دردمندی سے ان کے دل لبریز ہونے لگے، ان کی آنکھیں اشکبار ہونے لگیں، اور ہر طرف سے فریاد و آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

ہر شخص اپنا سر پیٹ رہا تھا، ہاتھ کاٹ رہا تھا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی باتوں

نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا، اب انہیں اس احساس نے آگھیرا کہ ان سے کتنا بڑا جرم سرزد ہوگیا ہے، اس طرح ان یتیموں اور قیدیوں کو دیکھ کر ان کے قلوب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادہ کی محبت امنڈنے لگی۔

یہ باتیں ان کے قلوب سے نکل کر واضح ہو رہی تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی باتیں سن کر ایک بوڑھا شخص آبدیدہ ہوگیا، وہ دھاڑے مار مار کر روتے ہوئے کہنے لگا:

"میرے ماں باپ آپ (رضی اللہ عنہا) پر قربان! آپ (رضی اللہ عنہا) کے بوڑھے بہترین بوڑھے ہیں، آپ (رضی اللہ عنہا) کے جوان بہترین جوان ہیں، آپ (رضی اللہ عنہا) کی خواتین بہترین خواتین ہیں، آپ (رضی اللہ عنہا) کے خاندان کی نسل بہترین نسل ہے، اور تم کبھی کسی بھی حالت میں شکست وریخت کا شکار نہ ہوں گے۔"

ایک اور شخص جو یہ سب کچھ سن رہا تھا بول اٹھا:

"خدا کی قسم! میں نے لوگوں کو دیکھا کہ حیران و مبہوت ہو کر تنہائی میں رو رہے ہیں، اپنے ہاتھوں کو منہ پر رکھے ہوئے آنسو بہا رہے ہیں۔"

ایک خاتون نے گھر کی چھت سے ایک قیدی سے پوچھا:

"تمہارا تعلق کس خاندان سے ہے؟"

اسیر کربلا نے جواب دیا:

"ہم اسیران خاندان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔"

حضرت سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطبہ کی یہ وہ باتیں تھیں جنہوں نے اہل کوفہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

## دربار ابن زیاد

عبیداللہ بن زیاد ملعون نے شہدائے کربلا کے کٹے ہوئے سر اپنے سامنے

منگوائے، اور خود غرور وتکبر اور نخوت کا تاج پہن کر تخت پر متمکن ہوا، اور اسیران کربلا کو دیکھنے کی تیاری کی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی دیگر اسیران کربلا کے ہمراہ تھیں، انہیں بھی اسیران کربلا کے ہمراہ پیش کیا گیا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا انتہائی سادہ اور کم قیمت لباس میں ملبوس تھیں، وہ ایک فرد واحد کی طرح ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئیں کہ ابن زیاد انہیں پہچان نہ پائے۔ (طبری، ج:7)

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ابن زیاد کے محل کے ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئیں: یہ وہ مقام تھا جہاں آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز رہے۔

عبیداللہ بن زیاد نے اپنے زعم باطل میں رعب و جلال کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ دربار منعقد کیا تھا، سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے اور ان کے اہل بیت کو قید کرنے میں اسے اپنی شان و شوکت نمایاں دکھائی دے رہی تھی، وہ اپنے اس مظالم بھرے کارنامے پر بہت شاداں و فرحاں تھا، اس کا زعم باطل تھا کہ وہ اسیران کی خستگی و بے چارگی کے مظاہرہ سے اپنی عظمت کا فقید المثال مظاہرہ کرے، اسی لیے وہ اس انتظار میں تھا کہ اسیران اہل بیت اس کے سامنے پیش ہوں، اور اس کی عزت و تکریم کریں اور تعظیم بجا لائیں، لیکن حقیقت اس کے تمام گمانوں کے برعکس نکلی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے مخصوص وقار اور جلال کے ساتھ ابن زیاد کی اجازت کے بغیر دربار کے ایک گوشہ میں خاموشی سے تشریف فرما ہوئیں، یہ خاموشی اور سکوت صرف چند لمحات پر محیط رہا، دربار میں حاضرین کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی، ابن

زیاد کو یہ خاموشی کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی، آخر مجبوراً اس نے پوچھا:

''یہ خاتون جس کے گرد حصار قائم ہے، یہ کون ہے؟''

ابن زیاد کی بات سن کر کسی نے بھی جواب نہ دیا، ابن زیاد نے اپنا جواب دو تین بار دہرایا لیکن سننے والوں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی، اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار رکھا، آخر مجبوراً عمرو بن سعد نے جواب دیا:

''یہ زینب (رضی اللہ عنہا) دختر حضرت علیٰ المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''

یہ سنتے ہی ابن زیاد فوراً بول اٹھا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا کیا، قتل کیا اور تمہارے دعوؤں کو باطل ثابت کیا۔''

اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی چشمانِ مبارک سے حقارت ہویدا تھی، انہوں نے ارشاد فرمایا:

''اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں عزت عطا فرمائی، اور ہم سے ہر قسم کی نجاست و رجس کو دور رکھا، سن رکھو صرف فاسد ہی ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گرتا ہے، وہ فاجر ہوتا ہے، وہ جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، اور ہمارا غیر (یعنی تو ہے) الحمد للہ۔''

ابن زیاد کو اس جواب کی قطعاً توقع نہ تھی، یہ جواب سن کر وہ ہل کر رہ گیا، اس نے چاہا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی اس حق گوئی کو روکے، چنانچہ اس نے پوچھا:

''تم نے اپنے خاندان کے بارے میں اللہ کے اس عمل کو کیسا پایا ہے؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انتہائی عزم اور جرأت کے ساتھ دوبارہ فرمایا:

''میں نے اللہ رب العزت کے حکم میں خوبی و زیبائی کے علاوہ کسی

چیز کا مشاہدہ نہیں کیا، ہمارا تعلق اس قوم سے ہے جس کے لیے اللہ رب العزت نے شہادت کو مقدر فرما دیا ہے، انہوں نے اللہ رب العزت کے طریق کو پیش نظر رکھا، اس کی پیروی کی اور اللہ رب العزت بہت جلد تجھے اور ان کو جمع فرمائے گا، پھر دونوں جماعتوں میں گفت و شنید اور مباحثہ ہو گا، پھر تجھے دیکھنا ہو گا کہ کامیابی کی سعادت کسے ملی؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد سے کہا:

''میں نے سوائے اچھائی کے کچھ ملاحظہ نہیں کیا، وہ ایسے لوگ تھے جن کا شہادت پانا اللہ جل جلالہ نے مقدور کر رکھا تھا، اور وہ اپنی آرام گاہوں پر روانہ ہو گئے، اور عنقریب اللہ جل جلالہ تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا، پھر تم بحث اور جھگڑا کرو گے اس دن تم میں سے کون غالب آتا ہے۔''

(طبری، ج:7،ص:372)

پھر سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد کو ملامت کرنا شروع کیا، اس کی ہر طرح سے لعنت و ملامت کی اور فرمایا:

''تیری ماں سوگ میں بیٹھے کہ تو نے ہمارے عزیزوں کو قتل کیا۔''

ابن زیاد نے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے ملامت بھرے الفاظ سنے تو غصے سے کھول اٹھا اور بولا:

''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے اصحاب کے قتل سے میرے دل کو صحت وخوشی بخشی۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو کہہ اٹھیں:

''تو نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا اور ہماری نسل کو ختم کیا، ہمارے

بزرگوں کے رشتوں کو ختم کیا، اور ہماری بنیاد اکھاڑ پھینکی، اگر یہ باتیں تمہیں تسکین و راحت پہنچاتی ہیں تو واقعی تو نے تسکین پالی۔"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد سے مزید کہا:

"تو نے میرے آقا کو قتل کیا، میرے خاندان کو تباہ کیا، میری شاخ کو کاٹ ڈالا، اور میری جڑ کو اکھاڑ دیا، اگر تجھے اس سے سکون ملتا ہے تو تو نے سکون پالیا۔" (طبری، ج:7،ص372)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی یہ ملامت اس قدر شدید تھی کہ ابن زیاد چیخ اٹھا اور اپنے پہریداروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

"تم سب کھڑے خاموش تماشہ دیکھ رہے ہو، اسے لے جاؤ۔"

ابن زیاد کو اس بات کی توقع بالکل نہ تھی کہ ایک خاتون قیدی جرأت کی اس انتہا تک پہنچ جائے گی کہ اس کے سامنے ایک بار نہیں متعدد بار ایسا کلام کرے گی، بھرے دربار میں اسے ذلیل و رسوا کرے گی، اب تو اس کی رگ غیرت پھڑک اٹھی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں اور گفتگو نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا، اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا، وہ غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا، زخمی سانپ کی طرح پھنکارنے لگا۔

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے جواب پر وہ آپے سے باہر ہو گیا اور ہرزہ سرائی پر اتر آیا، کہ یہ خاتون شعر کہتی ہے، شاعرانہ زبان میں بات کرتی ہے، اس کا باپ بھی شاعر تھا، ابن زیاد نے چاہا کہ ماہرانہ طریقہ اور چالاکی سے اس مسئلہ کو اپنے حق میں کر لے، اس طرح کہ اسیروں کو اور حاضرین کو بھی اپنے رعب میں لے آئے، چنانچہ اس نے حکم دیا:

"سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو لے جاؤ اور ان کا سر قلم کر دو۔"

یہ سن کر عمرو بن حریث نے اٹھ کر مداخلت کی اور کہا:

"آپ اس خاتون کی باتوں پر مواخذہ نہ کریں کیونکہ ایک خاتون کا

قتل عرب میں شرم کا باعث ہے۔''

ابن زیاد نے کہا:

''اس خاتون کے قتل سے مجھے تسکین ملے گی۔''

مگر اسے مجبوراً سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حق میں دیا گیا فیصلہ واپس لینا پڑا، کچھ دیر تک دربار میں گہرا سکوت طاری رہا، پھر ابن زیاد حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا:

''یہ کون ہے؟''

ابن زیاد کو بتایا گیا:

''یہ علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''

ابن زیاد نے پوچھا:

''کیا اللہ نے کربلا میں علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل نہیں کیا؟''

سید الساجدین حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علی (رضی اللہ عنہ) تھا، تیرے لشکر نے اسے قتل کیا۔''

ابن زیاد فوراً بول اٹھا:

''اس کو خدا نے قتل کیا۔''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا

وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں، پھر روک لیتا ہے
ان کی روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرنا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے
دوسری روح کو مقررہ معیاد تک، بے شک اس میں اس کی قدرت کی
نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔'' (سورہ الزمر:42)

ابن زیاد غصے سے بے قابو ہوا جا رہا تھا، وہ غضب ناک لہجے میں بولا:

''کیا تو اب بھی جرأت رکھتا ہے کہ میرے سامنے گفتگو کرے؟ جلاد آؤ
اور اس کا سر قلم کر دو۔''

سید الساجدین حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) نے فرمایا:

''کیا تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے، تم آگاہ نہیں ہو کہ شہادت ہمارا شیوہ
اور افتخار ہے؟''

ابن زیاد کے کچھ سپاہی آگے بڑھے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے لے جائیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اٹھ کر ابن زیاد سے کہا:

''کیا ہمارا وہ تمام خون جو تو بہا چکا ہے، کافی نہیں ہے؟''

یہ کہہ کر وہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئیں اور بولیں:

''میں اسے نہیں چھوڑوں گی کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، اگر تم
اسے بھی قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو پہلے مجھے قتل کرو۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو پہلو میں لے لیا، اور انہیں خود سے لپٹا لیا۔

یہ دیکھ کر کچھ درباری بول اٹھے:

''اے امیر! یہ نوجوان بیمار ہے، اور خاتون غم میں مبتلا ہے۔''

یہ سن کر ابن زیاد نے قتل کا فیصلہ واپس لے لیا۔

ابن زیاد انسانی اقدار اور انسانیت سے عاری ایک سفاک و بے رحم شخص تھا۔
اب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی رسول اپنی جگہ سے اٹھے، وہ زار و قطار رو رہے تھے، وہ کہنے لگے:

''اے امیر! اسے مت مارو، یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ہے۔''

یہ سن اور دیکھ کر ابن زیاد بولا:

''کیا تم میری فتح پر رو رہے ہو؟ تو بوڑھا اور ناقص العقل ہے، ورنہ میں تیری گردن اڑا دیتا۔'' (طبری، ج:4، ص:249)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے:

''لوگو! اس کے بعد تم ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار ہو گئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر حسین رضی اللہ عنہ کو تم قتل کر چکے، اب یہ مرجان کا بیٹا تم پر حکمرانی کرے گا۔'' (طبری، ج:4، ص:249)

# دربارِ یزید میں خطبہ

اسیرانِ اہلِ بیت کا قافلہ کوفہ میں قیام پذیر تھا کہ ابن زیاد کو یزید کا حکم ملا:
''ان اسیران کو شام روانہ کر دیا جائے۔''
یزید کا حکم ملتے ہی ابن زیاد نے فوراً اس قافلے کے لیے سفر شام کے اسباب مہیا کیے، اور ان اسیران کو موصل کے راستے شام کی طرف روانہ کیا گیا۔
ابن زیاد نے زجر بن قیس، محصن بن ابی ثعلبہ، شمر بن ذی الجوشن کو حکم دیا:
''پانچ ہزار سواروں کے ہمراہ اسیران اور شہدأ کے سر لے کر شام جائیں۔''
یوں یکم صفر المظفر 61ھ کو اسیرانِ اہلِ بیت شام میں داخل ہوئے، شمر بن ذی الجوشن اس قافلہ کا سالار تھا، امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو پابہ زنجیر اور بچوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ اونٹوں پر باندھا گیا، خواتین کو کجاوہ کے بغیر ہی اونٹوں پر سوار کرایا گیا، اور شہداء کے کٹے ہوئے سروں کو نیزوں پر رکھ کر قافلہ روانہ ہوا، قافلے کا پہلا پڑاؤ کنار شط فرات تھا، اگلی منزل تکریت ٹھہری، اس منزل کے قریب پہنچ کر اہل قافلہ نے کچھ لوگوں کو شہر کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں خبر دی جائے، اور ان کا فقید المثال استقبال ہو، اہل تکریت اسیرانِ کربلا کے استقبال کے لیے آئے، اس شہر میں عیسائی کافی تعداد میں رہائش پذیر تھے، انہوں نے پوچھا:
''آخر معاملہ کیا ہے؟ اور یہ کون لوگ ہیں؟''
انہیں بتایا گیا:

''ہم حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر کو ان کے عزیزوں کے ہمراہ لا رہے ہیں۔''

عیسائیوں نے پوچھا:

''کون حسین (رضی اللہ عنہ)؟''

ان لوگوں نے جواب دیا:

''پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے فرزند۔''

یہ سن کر عیسائی پکار اٹھے:

''تم لوگوں پر خدا کا عذاب نازل ہو کہ تم نے پیغمبر کے بیٹے کو قتل کر دیا۔''

پھر عیسائی اپنے گرجوں کی طرف روانہ ہوئے، ناقوس بجانے لگے، گریہ و زاری کرنے لگے اور کہنے لگے:

''ہم اس عمل سے بیزار ہیں۔''

پھر وہ قاتلان حسین (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے لگے۔

تکریت سے روانہ ہو کر قافلہ وادی نخلہ میں پہنچا، اہل قافلہ نے یہاں بہت زیادہ نوحہ اور گریہ کی آوازیں سنیں، وادی نخلہ سے قافلہ ''حرشاد'' پہنچا اس شہر کے مرد اور خواتین ان کے استقبال کے لیے آئے، لیکن اس قافلہ کو دیکھ کر ان کی گریہ زاری اور نالہ و فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں، یہ دیکھ کر یزید کی فوج پریشان ہو گئی اور اسے خطرہ لاحق ہوا کہ لوگ ان قاتلوں پر حملہ نہ کر دیں۔

اس کے بعد اسیران کربلا کا قافلہ حران پہنچا، یہاں سے قافلہ نصیبین پہنچا یہاں سے قافلہ ایک اور شہر پہنچا، قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

اسیران کربلا کے پہنچنے کی خبر یزید کو ملی تو اس وقت یزید اپنا دربار لگائے بیٹھا تھا

کہ اتنے میں زجر بن قیس دربار میں آیا، یزید نے اس سے پوچھا:

''تو کیا خبر لے کر آیا ہے؟''

زجر بن قیس نے جواب دیا:

''آپ کو فتح و کامرانی مبارک ہو، حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے خانوادہ کے اٹھارہ افراد اور ساٹھ انصار کے افراد کے ہمراہ عراق آئے، ہم ابن زیاد کے حکم سے ان کے سروں پر جا چڑھے اور ان سے کہا کہ خلیفہ کی بیعت کے لیے اپنے سر جھکاؤ یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، مگر انہوں نے جنگ کو فوقیت دی، 10 محرم الحرام کو طلوع آفتاب سے لے کر ہم نے محاصرہ قائم رکھا، ہماری تلواریں ان کے سروں پر پڑیں، اور ہماری تلواروں نے ان کے خون سے پیاس بجھائی ان کے اجساد کو ہم نے برہنہ چھوڑ دیا، اور ان کے سر کاٹ کر اسیران کربلا کے ہمراہ یہاں حاضر ہو گئے ہیں۔''

یہ سن کر یزید کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر کچھ توقف کے بعد بولا:

''اگر میں ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو حسین (رضی اللہ عنہ) کو کبھی قتل نہ کرتا، اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ کی شکل کو مسخ کرے، جس نے بات کو یہاں تک پہنچا دیا۔''

اس وقت مروان بن حکم کا بھائی عبدالرحمٰن بن حکم دربار میں حاضر تھا، جب اس نے یہ سنا تو بولا:

''اے یزید طف میں مارا جانے والا قرابت میں بنی امیہ یا تجھ سے زیاد کے بیٹے کی نسبت نزدیک تر ہے، سمیہ کے غلام کے بیٹے کی نسل تو بڑھ رہی ہے لیکن تو نے چاہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی نسل سے

کوئی نہ رہے۔''

یہ سن کر یزید بولا:

''ہاں! اللہ مرجانہ کے بیٹے پر لعنت کرے، جس نے اتنا بڑا کام کیا، خدا کی قسم! اگر حسین (رضی اللہ عنہ) موجود ہوتے تو مجھ سے جو کچھ مانگتے، میں بلا تامل انہیں دے دیتا، میں ان کے قتل پر آمادہ نہ ہوتا یہاں تک کہ بات میری ہلاکت پر تمام ہوتی۔''

ایک روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے:

یزید نے عبدالرحمٰن سے کہا:

''ایسے موقع پر ایسی بات نہ کر۔''

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے:

یزید نے حکم دیا:

''شام کے شہر کو زینت دے کر آراستہ کرو، کوچوں، محلوں، بازاروں، دروازہ ساعات اور شہر کے باہر تک کے تمام راستوں کی آرائش کی جائے، مرد، عورتیں، بچے اور بزرگ سب تماشا دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل آئیں، سب لوگ بہترین لباس پہن کر خوشی و مسرت کے ساتھ قیدیوں کے قافلہ اور کٹے ہوئے سروں کا انتظار کریں۔''

اس کام میں کچھ گھنٹے صرف ہوئے، پھر اس قافلہ کو شہر میں داخلے کی اجازت مل گئی، خواتین اہل بیت بغیر کجاوؤں کے اونٹوں پر سوار تھیں، اور حضرت علی بن حسین امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ایک برہنہ اونٹ پر زنجیروں پر جکڑے بندھے پڑے تھے، ان کا اونٹ سب سے آگے تھا۔

یکم ماہ صفر المظفر 61ھ کو اسیرانِ اہلِ بیت کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا،

یزید نے حکم دیا:

''انہیں باب الساعات میں شہر کے دروازہ کے باہر اس وقت تک روکے رکھو، جب تک شام کے رقاص مرد اور خواتین دف، بانسریوں، باجے اور ڈھول تاشے لے کر فتح و کامرانی کے رقص کرتے ہوئے نہ آ جائیں۔''

یزید ایک خاص جگہ پر قافلہ کے نظارہ کے لیے بیٹھا ہوا تھا، حضرت سہل ساعدی رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے، وہ حضرت علی بن حسین امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بولے:

کیا آپ (رضی اللہ عنہ) کی کوئی حاجت ہے؟''

انہوں نے کہا:

''یہ لوگ جو سروں کو نیزوں پر لے کر جا رہے ہیں، ان سے کہیں وہ سروں کو اسیروں سے دور لے جائیں۔''

یزید نے حکم دیا:

''امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر (اقدس) کو ایک سونے کے طشت میں رکھ کر میرے سامنے پیش کیا جائے۔''

پھر اس نے بڑے فخر و نخوت کے ساتھ ابن زیاد کے نمائندوں سے جنہوں نے یہ ظلم برپا کیا تھا واقعات پوچھے۔

شمر بن ذی الجوشن نے واقعات بیان کیے اور یوم عاشور سے لے کر اس وقت تک کی تمام کارگزاری بیان کر دی۔

یزید نے بید کی چھڑی جو اس وقت اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی، اور جس پر سونا چڑھا کر اسے خوبصورت بنایا گیا تھا، اس ملعون نے اس چھڑی کے ساتھ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لب و دندان مبارک پر ضربیں لگائیں اور بولا:

''حسین (رضی اللہ عنہ) تمہارے لب اور دندان کس قدر خوبصورت ہیں۔''

جب درباریوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے یزید کو اس حرکت سے منع کیا۔

ایک صحابی رسول حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اے یزید! اللہ رب العزت تیرے ہاتھ کاٹے، تو ایسی جگہ چھڑی مار رہا ہے، جہاں میں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسے لیتے دیکھا ہے۔''

یزید نے اس غرور و تکبر اور مستی کے عالم میں کہا:

''اگر تو اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں تیرا سر قلم کرا دیتا۔''

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

''کتنے تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ تو اصحاب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو احترام کرتا ہے، اور فرزند پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس طرح کا ظلم کر رہا ہے۔''

یزید کے درباری یہ سن کر رونے لگے، اور یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس لیے وہ اس حرکت سے رک گیا۔

پھر یزید شمر بن ذی الجوشن کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

''خدا کی قسم! میں قتل حسین (رضی اللہ عنہ) کے بغیر بھی تمہاری اطاعت پر راضی تھا، مرجانہ کے بیٹے پر لعنت ہو، جس نے اتنے بڑے امر کا اقدام کیا۔''

## دربار یزید میں خطبہ زینب رضی اللہ عنہا

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے یزید کے دربار میں جو خطبہ پیش کیا وہ یہ ہے:

''حمد و سپاس صرف اللہ رب العزت کے لیے مخصوص ہے، جو عالمین کا

پروردگار ہے، اور اللہ رب العزت کی کی طرف سے درود و رحمت اس کے رسول محمد ﷺ پر، اور ان کی تمام اہل بیت پر بھی، اللہ رب العزت نے درست فرمایا، وہ اس طرح فرماتا ہے، جو لوگ بدیوں کے مرتکب ہوئے وہ اپنے انجام کو پہنچے، جنہوں نے اللہ رب العزت کی آیات کو جھٹلایا، اور ان کا تمسخر و استہزاُ کیا۔

اے یزید! کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہمیں قید کر کے تو نے ہم پر زمین اور آسمان کی فضا کو تنگ کر دیا ہے؟ کیونکہ تو نے ہمیں قید کر کے شہروں اور بازاروں میں پھرایا ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ تیرے اس عمل سے ہم اللہ رب العزت کے حضور ذلیل ہوئے ہیں؟ اور اس طرح کیا تو نے اللہ جل جلالہ کے سامنے اعزاز و منزلت حاصل کی ہے؟ نیز کیا تو نے گمان کر لیا ہے کہ اپنے اس عمل سے تو نے اللہ رب العزت کے حضور اتنا بڑا کام سرانجام دیا ہے جس نے غرور و تکبر سے تیری ناک پھلا دی ہے؟ اور تو بڑے غرور سے اپنے چاروں اطراف دیکھتا ہے، درآنحالیکہ تو انتہا سے زیادہ خوش اور مسرور ہے؟ کیا تو دنیا کو آباد اور اپنی مرضی کے مطابق پاتا ہے؟ اور کیا تو سمجھتا ہے کہ دنیا کے تمام امور تیری مرضی و منشاء کے مطابق انجام پاتے ہیں؟ نیز کیا تو سمجھتا ہے کہ ہمارے مقام و منصب کو تو نے درست جانا ہے؟ یزید! ذرا غور کرو ان خیالات باطل سے اجتناب کرو۔

کیا تو فرمان خدائے بزرگ و برتر کو بھول گیا، جبکہ وہ فرماتا ہے:

**وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ**

''اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے کہ ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ کر لیں گناہ، اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل وخوار کرنے والا۔'' (سورہ آل عمران: 178)

''کیا یہ انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں تک کو پس پردہ بٹھا رکھا ہے، لیکن رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو نامحرموں کے درمیان قیدی بنا رکھا ہے، ان کے پردہ حرمت کو تو نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔

ان کے چہروں اور صورتوں کو بے پردہ کر دیا ہے، یہاں تک کہ دشمنان خدا ان کو دیکھتے ہیں، تو نے انہیں شہر بہ شہر پھرایا ہے، حتیٰ کہ شہروں اور دیہاتوں کے باشندے ان کو دیکھتے ہیں، اور دور ونزدیک کے لوگوں نے انہیں تماشا بنا رکھا ہے، ان کے ذلیل وشریف لوگ ان کی طرف اپنی آنکھوں کو کھولتے ہیں، ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے مردان کی سرپرستی کے لیے موجود نہیں ہیں، نہ وہ سرپرست اور حمایتی رکھتے ہیں۔

البتہ ایسے شخص کی طرف سے کیسے عطف ومہربانی کی توقع کی جاسکتی ہے جو ان کی اولاد ہو، جنہوں نے اسلام کے پاکیزہ شہیدوں کے جگروں کو چبانا پسند کیا ہو!

ایسے شخص سے کس طرح مہربانی کی توقع کی جاسکتی ہے، جس کا گوشت شہدا کے خون سے بنا ہو؟

پھر وہ شخص کس طرح اہل بیت کے ساتھ اپنے بغض وکینہ میں کمی کرسکتا

ہے، جس نے ہمیشہ ہم پر بغض ونفرت ہی کی نگاہ ڈالی ہو، اور جن کے لیے اپنی پوری زندگی میں اس نے کینہ وانتقام کی آنکھ کھول رکھی ہو؟ اور وہ اپنے احساس گناہ کی بجائے اپنی غلطی اور جرم کو بڑا کارنامہ جانتے ہوئے کہتا ہو:

''کہ کاش میرے آباؤ اجداد میری اس شادمانی کو دیکھتے تو کہتے اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی تو حضرت ابی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتا ہے، وہی حسین (رضی اللہ عنہ) جو جوانان جنت کے سردار ہیں، نہ صرف یہ پھر تو اپنی شان میں شاعری ونکتہ آفرینی بھی کر رہا ہے، لیکن تو کس طرح ایسی باتیں کرتا ہے، درآنحالیکہ تو نے اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ ہمارے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، اور اپنے دل کو ٹھنڈا کرے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے خون کو بہا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ رب العزت جن پر اور جن کے خاندان پر درود ورحمت بھیجتا ہے؟

یہ وہی حضرات ہیں جو خاندان عبدالمطلب کے درخشاں ستارے تھے، پھر تو اپنے آباؤ اجداد کو پکارتا ہے، اور تو گمان رکھتا ہے کہ وہ تیرے سوال کا جواب بھی دیں گے، حالانکہ تو خود بہت جلد ان کے پاس پہنچ جائے گا، اور تو آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ مفلوج اور زبان گونگی ہوتی، تاکہ جو کچھ میں نے کہا وہ نہ کہہ پاتا، اور جو کچھ میں نے کیا وہ نہ کرتا!

پروردگار! ان لوگوں سے ہمارے حق کو وصول فرما، اور ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے، اور اپنے غیظ وغضب کو ان پر وارد فرما جنہوں نے

ہمارا خون بہایا، اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا۔

یزید! خدا کی قسم! اپنے اس عظیم گناہ سے تو نے صرف اپنے گوشت کو پارہ پارہ کیا ہے، اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نے خود اپنے بدن کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہیں۔

بہت جلد تو پروردگار کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوگا، جبکہ ان کی اولاد کا خون تیری گردن پر ہوگا، ان کی عترت کی ہتک حرمت کا گناہ اور ان کے گوشت و پوست کا عذاب تو اپنی گردن پر رکھتا ہوگا، یہ وہ دن ہوگا، جب اللہ رب العزت نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کو اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا، ان کے بکھرے ہوئے افراد کو اس نے اپنے سامنے جمع کر رکھا ہوگا، اور ان کے حق کو ان کے دشمنوں سے طلب فرمائے گا، اللہ رب العزت اس بارے میں فرماتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ

''اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیے جاتے ہیں۔'' (سورہ آل عمران: 169)

''پس اے یزید! یہ تیرے لیے کافی ہے کہ تو قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہ ہوگا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے خلاف دعویٰ کریں گے، اور جبرائیل علیہ السلام ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گواہ و مددگار ہوں گے۔

بہت جلد ایسا ہوگا کہ جن لوگوں نے مکر و فریب کر کے تجھے مسند اقتدار پر بٹھایا ہوگا، اپنے کیے پر جواب دہ ہوں گے، تجھے معلوم ہونا چاہیے

کہ اس دن تیری کیفیت کیسی دردناک ہوگی، اور تجھ سے زیادہ بدبخت کون ہوگا!

اس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ مجبور اور زیادہ شکست خوردہ ہے۔

یزید! افسوس کہ حوادث روزگار نے مجھے یہاں پہنچایا ہے کہ میں تیری اسیر اور تجھ سے مخاطب ہوں، لیکن میں تیری قوت و حیثیت کو حقیر جانتی ہوں، اس قدر ہمت رکھتی ہوں کہ یہ باتیں تیرے منہ پر کہوں، اور چاہتی ہوں کہ تجھے بہت زیادہ ذلیل کروں، لیکن کیا کروں کہ ہماری آنکھیں رو رہی ہیں، اور ہمارے قلوب ہمارے عزیزوں کے مرگ کے غم میں جل رہے ہیں!

افسوس صد افسوس کہ کیا کچھ گزر چکا، کہ اللہ رب العزت کی پاک و نجیب جماعت کو مار ڈالا گیا، وہ بھی شیطان صفت جماعت کے ہاتھوں جو خود آزاد شدہ اسیر تھے۔

تم لوگوں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوئے ہیں، اور تمہارے منہ ہمارے گوشت بدن کو نگلنے کے لیے کھلے ہوئے ہیں، وہ پاک جسم جو ٹکڑے ٹکڑے اور بے سر کے ہیں، آندھیوں اور طوفانوں میں خاک میں پڑے ہیں، بھیڑیوں کی قسم کے لوگ بیابان میں انہیں پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔

اے یزید! اگر تو نے ہمارے قتل و اسیروں کو اپنے لیے غنیمت جانا ہے تو تجھے جاننا چاہیے کہ اس کے عوض تجھے بہت بڑی سزا اور تاوان ادا کرنا ہوگا، اور یہ اس دن ہوگا جب سوائے اس چیز کے جو تو نے پہلے سے جمع کر رکھی ہوگی کچھ اور تیرے پاس نہ ہوگا، اور اس دن

اللہ رب العزت اپنے بندہ پر ہرگز ظلم روا نہ رکھے گا۔

میں تیرے ظلم کی اللہ رب العزت سے شکایت کرتی ہوں اور اس سے پناہ وسرپرستی کی طالب ہوں۔

اے یزید! ہماری دشمنی میں تو جس قدر مکر و تدبیر کر سکتا ہے کر لے، ہماری دشمنی میں جس قدر کوشش تجھ سے ممکن ہو، کر گزر، اپنے تمام طریق وخواہشات کو استعمال کر لے۔

خدا کی قسم! ہمارے ناموں کو اذہان اور اوراق تاریخ سے محو نہ کر سکے گا، تیرے لیے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہمارے طول حیات اور ہمارے افتخارات کو ختم کر سکے، نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اپنے دامن سے متعلق اور دائمی ننگ و عار کے دھبوں کو مٹا سکے۔

کیا اس میں بھی کوئی شک وشبہ باقی ہے کہ تیری رائے اور عقل ناقص و ضعیف اور بچگانہ ہے؟ کیا اس میں بھی کوئی شک وشبہ باقی ہے کہ تیری زندگی کے ایام گنے جا چکے ہیں؟

کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ تیرے گرد جو تیری جماعت ہے وہ پراگندہ ہونے والی ہے؟

اس دن کو یاد رکھو جب ندا دینے والا ندا دے گا کہ ظالموں پر اللہ رب العزت کی لعنت ہو، پس تمام تعریف اللہ رب العزت کے لیے ہے، جس نے ہمارے آغاز حیات کو خوش بختی و سعادت قرار دیا، اور ہمارے آخر کو شہادت ورحمت سے نوازا۔

ہم اللہ جل جلالہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی رحمت و رافت کی ان پر تکمیل فرمائے، اور ان کے اجر وثواب میں اضافہ فرمائے، اور خلافت

کو جو یقیناً ہمارا حق ہے، ہمارے لیے قرار دے۔

وہ خدائے رحیم ہے اور اپنے دوستوں کی پناہ گاہ ہے، اللہ ہماری حمایت کے لیے کافی ہے، اور وہ سب سے بہتر مددگار و مدافع ہے۔"

## خطبہ دربار یزید کی مختصر تشریح

واقعہ کربلا کے اختتام پذیر ہونے کے بعد اسیران اہل بیت دمشق لائے گئے، جو کچھ کوفہ میں ہوا تھا، دمشق میں بھی بعینہ وہی ہوا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا دیگر اسیران کے ہمراہ جب شہر دمشق میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ شہر کو آراستہ کیا گیا تھا، اور لوگوں پر حالات بالکل واضح و عیاں نہ تھے، بلکہ حقائق مسخ کر کے لوگوں میں اس کا شہرہ کیا گیا۔

اہلیانِ کوفہ کے برعکس اہل شام میں یہ مشتہر کیا گیا:

"دین سے منحرف اور باغی ایک جماعت جنہوں نے مسلمانوں میں افتراق کا بیج بونا چاہا تھا اور اس کو روکنے کے لیے امیر المومنین یزید نے ان سے جنگ کی تھی۔"

اہلِ شام حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو رہنمائے اسلام جانتے تھے، جب اسیرانِ کربلا کو یزید کے دربار میں لے جایا گیا تو اس وقت پورا دربار جشن و سرود کے منظر میں ڈھلا ہوا تھا، دربار میں سربراہان حکومت اور بنو امیہ کے سرکردہ لوگ موجود تھے، ملک شام کے شیوخ، امرا، خوشحال تاجرانِ شہر سواریوں سمیت سب ہی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ وہ سب ہی یزید کو اس کے اس کارنامے پر اس کی کامیابی پر مبارک پیش کر رہے تھے، یزید پورے کروفر کے ساتھ تخت شاہی پر متمکن تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بریدہ سر ایک طشت میں اس کے سامنے پڑا تھا،

اسیرانِ اہلِ بیت دربار یزید میں موجود تھے، یزید اپنی اس کامیابی پر بے حد شاداں وفرحاں تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی خوف کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کر رہی تھی، وہ اپنے انجام کا سوچ کر لرزہ براندام تھا، اس کے علاوہ دربار کا جو پرہول منظر تھا وہ بھی اس کے دل کو دہلا رہا تھا۔

وہ ہاتھ میں چھڑی لیے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو چھو رہا تھا، لب و دندان مبارک پر چھڑی مار رہا تھا، یہ دیکھ کر کچھ لوگ خاموش نہ رہ سکے، اور یزید کو اس نازیبا حرکت سے منع کیا۔

اب سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھی لب کشائی کرنا پڑی، آپ رضی اللہ عنہا کا خطبہ ایسے افکار اور رازوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو اپنی مثال آپ ہے، یہاں سطور ذیل میں اس خطبہ کے چند حصوں کی تشریح بیان کی جا رہی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یزید کو غضب الٰہی کا حق دار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"جو حکم نامہ تم نے ہمارے بارے میں جاری کیا، کیا تُو یہ سمجھتا ہے کہ تُو نے اس سے اللہ رب العزت کے حضور بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، اور ہمیں تُو نے ذلت کا حق دار قرار دیا ہے؟ کیا تُو اپنے اردگرد جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے اس سے تیرا مقصود یہ ہے کہ تم نے دنیا میں اپنے مقصد کو حاصل کر لیا؟

اے یزید! ایسی بات بالکل نہیں ہے، تم اس بات سے ہرگز مطمئن نہ ہونا، اللہ رب العزت کے اس فرمان کو تو فراموش نہ کر کہ اس نے بدکاروں کی عاقبت کو دوزخ میں قرار دیا ہے، نیز کافروں اور بے دینوں کو مہلت دی ہے کہ اپنے گناہوں میں اضافہ کی فرصت پا سکیں۔"

سیدہ زینب بنت علی (رضی اللہ عنہا) یزید کو اس وقت باعث ملامت قرار دے رہی تھیں، جب اس نے اپنی خواتین کو پردہ کے عقب میں بٹھا رکھا تھا، جبکہ دختران

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نامحرموں کے درمیان اس طرح اسیر کر رکھا ہے کہ دور ونزدیک، شریف اور رذیل سب ہی انہیں دیکھ رہے ہیں، اور وہ اس حالت میں ہیں کہ ان کی سرپرستی اور حمایت کنندہ کوئی بھی نہیں ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یزید کو ملامت کرتے ہوئے کہا:

"تو نے حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنا رکھا ہے، اگر تو نہ ہوتا تو ابن زیاد کو کبھی بھی خون حسین (رضی اللہ عنہ) بہانے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی، کیا ایسا کام کرتے ہوئے تمہیں خدا کے خوف نے گھیرا؟ تو ہی اولادرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاتل اور ان کا خون بہانے والا ہے۔"

یزید الیاس بن مضر کی بیوی "خندف" کو جواجداد قریش میں ایک معاملہ فہم اور ذی عقل خاتون تھی، اسے اپنی کئی نسل پہلے کی دادی قرار دیتا ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اے یزید! تو خندف پر فخر نہ کر، اس لیے کہ اس کے اور تیرے درمیان تیرہ پشتوں کی مسافت ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خطاب میں یزید کو متنبہ کیا:

"اے یزید! تُو نے اپنے ظلم سے خود ہی اپنی حقیقت بے نقاب کر لی ہے، بہت جلد اپنے پروردگار کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر تجھے اس خون کے لیے جواب دینا ہو گا، جہاں جبرائیل امین علیہ السلام ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پشت پناہ ہوں گے، اگر تُو نے ہمارے قتل و اسیری کو قابل قدر اور بہتر جانا ہے تو تجھے اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ تُو اس بارے میں بہت بڑے وبال کے جال میں پھنس جائے گا، اور یہ سب اس دن ہو گا جب کسی شخص کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو گا جو

اس نے پہلے سے اپنے لیے جمع کر رکھا ہو۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یزید کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے، ہماری دشمنی کے راستے میں اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لے آ، لیکن اللہ رب العزت کی قسم! تو کبھی ہمارے طول حیات یا ہماری عزت و افتخار کو کسی صورت بھی کم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اپنے دامن سے برائی و عیب اور ذلت و بدنامی کے دھبوں کو کبھی دھو سکے گا۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خطبہ کے اختتام پر راہ خدا کے لیے دعائے رحمت اور اولاد رسول اور شہداء کے لیے عزت و حرمت سے لبریز جملے ادا فرمائے، جبکہ ان کے قاتلین اور یزید کے لیے لعنت و نفرت، بے قدری و ذلت اور ملامت و طنز کے کلمات ادا فرمائے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی:

"اللہ رب العزت! ان لوگوں سے ہمارا حق ہمیں دلا دے اور ظالموں سے ہمارا انتقام لے، اور ابن زیاد سے ہمارا بدلہ لے۔"

اللہ رب العزت نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کر کے ابن زیاد اور دیگر قاتلان کو جہنم واصل کر دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بن علی رضی اللہ عنہ یزید کو قاتل کہتی ہیں، کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک کا بے دریغ خون بہایا ہے۔

اپنے خطاب کے آخر میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ظالموں کو اللہ رب العزت کی لعنت کا حق دار قرار دیتی ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خطبات لاتعداد پہلوؤں سے اہمیت اور مخصوص قدر و قیمت کے حامل ہیں۔

① سب سے اولین بات یہ ہے کہ یہ خطبات ایک ایسی پاکباز خاتون محترم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں، جس نے اپنے عزیز و اقارب کی شہادت کو میدان جنگ میں بسر و چشم ملاحظہ کیا ہے، اور ان کی شہادت اور خون ناحق کے داغ اپنے دل میں سموئے ہیں، جو مشکلات و مصائب کے ہجوم میں الجھ گئیں، جو درد سے معمور دل لیے خستہ حال ہیں۔

② ان خطابات کو ایسے موقع ومحل اور ماحول میں ادا کیا گیا جو خوف و رعب اور وحشت انگیزی سے بھرے ہوئے تھے، یہ وہ موقع تھا جہاں کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی، اور یہ جرأتِ گفتار صرف سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی کہ آپ رضی اللہ عنہا نے یزید کے بھرے دربار میں اسے تنبیہ کی اسے ملامت کیا۔

③ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا خطبہ خوش بیانی وخوش کلامی اور حسب موقع گفتگو پر مبنی عظیم مرقع تھا، یہ کلام اپنے مقام پر عیاں و آشکار ہے، ہر طرح مکمل و کامل اور کسی قسم کی گھبراہٹ اور رکاوٹ کے بغیر نافذ العمل ہو رہا تھا۔

④ تمام کلام الہام قرآن، تاریخ اسلام کے تمام اسباق، مرقع یقین کامل مستحکم اور مضبوط اور اپنے دفاع کو پوری طرح پایہ تکمیل دے رہا تھا۔

⑤ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ پورے کلام و گفتگو میں خوف اور پریشانی کے بجائے جرأت مندی اور قلبی دلیری جو آپ رضی اللہ عنہا کے خاندان کا خاصہ ہے، صاف اور واضح نظر آ رہی تھی، ڈر و خوف کا کہیں شائبہ تک نہ تھا، اس لیے کہ اس کلام میں یزید کی ہر پہلو سے حقارت، لعنت و ملامت اور سرزنش، اس پر غم وغصہ کا اظہار، ظالمین کی کامل پستی کا اظہار کیا جا رہا تھا، اور اللہ رب العزت سے ان کے خلاف انتقام کی درخواست کی جا رہی تھی۔

⑥ یہ خطاب اس دربار میں ہو رہا تھا جہاں دیگر ممالک اور سلاطین کے

نمائندگان بھی موجود تھے، جن میں ہر ایک کے لیے اس دردناک اور غم ناک واقعہ سے مطلع و آگاہ ہونا ضروری تھا۔

⑦ ہر سامع کے جذبات میں یہ عظیم خوش بیان، شیریں اور انتہا کو پہنچی ہوئی حسب موقع گفتگو تند و تیز اور غلبہ کے لیے کافی تھا، درآنحالیکہ یہ فصیح و بلیغ کلام کرنے والی ہستی کو خود پر اس تمام ہنگامہ سواو و گیر کے باوجود مکمل اعتبار اور اختیار حاصل تھا۔

⑧ ان کا یہ خطاب حاکم وقت یزید سے تھا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ اپنے محترم و مکرم بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر مبارک کی طرف تھی، اور آپ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بذاتِ خود ایسے عوامل کا حصہ تھا، جو گفتگو میں نرمی، دردمندی، ٹھہراؤ اور توقف پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

⑨ یزید کے گھرانے کی تمام خواتین یہاں تک کہ کنیزیں بھی پردہ کے عقب میں تھیں، جبکہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا، خواتینِ اہلِ بیت اور دیگر تمام اسیران کربلا حاضرین دربار کے سامنے تھے۔

⑩ اس موقع پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برموقع و محل، ان سنگین ترین برے حالات میں اس قدر خوش بیانی و شیریں کلامی اور حسب موقع گفتگو فرمائی، جو فکری انقلاب، سیاسی گڑ بڑ اور معاشرہ کو ہلا دینے والی تھی، عوام اس گفتگو کو سن کر کانپ اٹھے، جبکہ یزید اور اس کے حمایت کنندہ بھی لرزہ براندام ہو چکے تھے۔

۞

# حصہ سوم

# واقعہ کربلا کے ثمرات

- سانحہ کربلا کے ثمرات کا پہلا شعلہ
- یزید کی پشیمانی
- عوام میں شعور و بیداری
- بیداری عوام الناس
- موت کے زہراب میں اس نے پائی ہے زندگی
- خطبات زینب رضی اللہ عنہا کے اثرات وثمرات
- گریہ فاتحانہ
- سفرِ آخرت
- سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ (اجمالی جائزہ)

# سانحہ کربلا کے ثمرات کا پہلا شعلہ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ بڑے نازونعم میں پلی بڑھی تھیں، اس کے علاوہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد خود اپنا ایک پر تکلف گھر رکھتی تھیں، جہاں آسائش کی ہر چیز موجود تھی، نہایت محبوب شوہر اور اولاد بھی تھی، لیکن آپ رضی اللہ عنہا نے ان سب نعمتوں کو چھوڑ کر بیابانوں کی اذیت اور رہ نوردی کیوں قبول کی؟

اس تمام عرصہ رہ نوردی میں آپ رضی اللہ عنہا کی ناز برداری کرنے والا کوئی ایسا نہ تھا، جو سفر کی صعوبتوں اور تکالیف میں پائے مبارک کے لیے کسی طرح کے آرام وسہولت کو مہیا کر سکتا، یہ سب راہ حق کے لیے تھا، اللہ رب العزت کے دین کے فروغ کے لیے تھا۔

پھر واقعہ کربلا کے بعد یہ رہ نوردی یہ مصائب یہ تکالیف فروغ دین کے لیے مختص ہو چکی تھی، آنے والے وقت میں اس کے ثمرات ظاہر ہونے والے تھے، اگر واقعہ کربلا آج ہمارے دلوں میں زندہ ہے اس کا ہر ہر لمحہ ہمارے اذہان وقلوب میں محفوظ ہے تو یہ سب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا مرہون منت ہے، وہ واقعہ کربلا کی چشم دید تھیں، کربلا کا ایک ایک دکھ انہوں نے دیکھا تھا، کربلا کا ایک ایک واقعہ ان کی آنکھوں میں محفوظ تھا، کربلا کی ایک ایک اذیت انہوں نے جھیلی تھی۔

یہ حضرت سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ہی تھیں، جنہوں نے دشمنوں کے خوف و ہراس کے سائے بیابان کربلا میں بھٹکتے دیکھے، جنہوں نے وہاں معصوم بچوں کی چیخ و پکار سنی، جنہوں نے معصوم بچوں کو وہاں پیاس سے بلکتے دیکھا، کھانے کے ایک ایک نوالے کے لیے لوگوں کو ترساں و پریشان دیکھا، دشمن کی اذیتوں کو نہ صرف دیکھا

بلکہ سہا اور برداشت بھی کیا، مگر حرف شکوہ زبان پر نہ آنے دیا، صبر و استقلال اور رضا وشکر کی پیکر بنی رہیں، اپنے عزیز و اقارب کے ہر غم کو اپنے دل میں محسوس کیا۔

انہوں نے میدان کربلا میں وہ خونی منظر بھی دیکھا جب اپنے عزیز از جاں بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تن تنہا دشمنوں سے نبرد آزما دیکھا، وہ منظر بھی دیکھا جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے جاں نثاروں کے لاشے اپنے کندھوں پر رکھ کر خیموں کے پاس لاتے، وہ منظر بھی دیکھا جب محترم اور مبارک بھائی اپنے نوجوان بچوں اور معصوم شہزادوں کے لاشے اپنے ہاتھوں پر اٹھائے پھرتے۔

یہ کس قدر دل دہلا دینے والا منظر تھا، مگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ سب انتہائی صبر سے برداشت کیا، کربلا کے ایک ایک واقعہ کو ایک ایک لمحہ کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا، اس لیے کہ یہ آنے والے وقت کی امانت تھی، انہوں نے یہ امانت آنے والے لوگوں تک منتقل کرنا تھی، تاکہ یہ واقعات ان کے اذہان و قلوب کو جھنجھوڑ سکیں، اس واقعہ کے ثمرات بہت دوررس اور گہرے تھے، اس مقدس امانت کو انہوں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، اس واقعہ کے کیا ثمرات مرتب ہوئے ان کا ذکر آنے والے ابواب میں ہوگا۔

پہلے ہم زندانِ کوفہ کا تذکرہ کرتے ہیں، تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوران اسیری کن حالات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، انہیں کیسی کیسی تکالیف سہنا پڑیں، انہوں نے اپنے آنسوؤں کے سیلاب کو کس صبر سے روکا۔

اسیران کربلا سے بہت ہی برا سلوک کیا گیا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے وہ افراد تھے، جنہیں اللہ رب العزت نے مکرم ٹھہرایا ہے، یہ اللہ رب العزت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں ربِ کائنات نے باعثِ تخلیقِ کائنات قرار دیا، جنہیں مجسمہ اخلاق بنایا، جنہوں نے بنی نوع انسان کو

درس انسانیت دیا، جو معلم اخلاق تھے، رحمت مجسم تھے اور ہیں۔

کوفہ آنے کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے قافلہ کربلا کے اسیران کو جامع مسجد کوفہ کے قریب ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا، اور یزید کے پاس فتح کی خبر روانہ کی، اور دریافت کیا:

''ان قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جائے؟''

دو ہفتہ بعد دمشق سے جواب آیا:

''ان تمام اسیران کربلا کو دمشق روانہ کر دیا جائے۔''

ذرا آج سے چودہ سو سال پہلے کا زمانہ تصور میں لائیں، راستوں کا تعین کریں، سفر کی مشکلات کو محسوس کریں، یہ وہ زمانہ تھا جب سفر کے ذرائع محدود تھے، زیادہ تر سفر صحرا میں کیا جاتا تھا، صحرا کا سفر بڑا پر خطر اور دشوار گزار ہوتا تھا، گرمیوں میں صحرا کی ریت آگ کی طرح سلگتی تھی، سر راہ پانی کی قلت تھی، کچھ لوگ تو یہ سفر پیدل اختیار کرتے تھے یا پھر گھوڑوں اور اونٹوں پر اکتفا کیا جاتا تھا، سفر ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں پر محیط ہوتا تھا۔

اسیرانِ اہلِ بیت کو دمشق میں طلب کرنے کے بعد رسوا کرنے کے بعد یزید نے حکم دیا:

''انہیں اس قید خانہ میں پہنچا دیا جائے، جو مسجد شام کی پشت پر واقع ہے۔''

یہ ایسا تکلیف دہ مکان تھا جس میں گرمی اور سردی دونوں ہی وبالِ جان تھیں، یہ مکان انتہائی تنگ و تاریک اور بوسیدہ تھا، انہیں خوراک کی طرف سے بھی پریشان کیا جاتا، کئی کئی وقت گزر جاتے کھانے کے لیے ایک نوالہ نہ دیا جاتا، معصوم بچے بھوک سے بلبلا اٹھتے، پیاس سے بے حال ہو جاتے۔

حضرت علی بن حسین امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک دن میں نے اپنی پھوپھو محترمہ سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو اس حال میں دیکھا کہ ہانڈی چولہے پر چڑھائے اس طرح بیٹھی ہے جیسے آگ روشن کرنے کا عزم ہے۔''

میں نے پوچھا:

''اے پھوپھو! یہ کیا ہے؟''

وہ بولیں:

''بچے بھوک کی شدت سے بے حال ہو رہے ہیں، یہ سب انہیں بہلانے کا سامان ہے۔''

اسیران کربلا کچھ عرصہ تک تو اسی تنگ و تاریک مکان کے مہمان رہے، پھر یزید کی چہیتی زوجہ نہد بنت عبداللہ نے اپنے محل میں ایک مکان ان اسیران کے لیے خالی کر دیا۔

نہد بنت عبداللہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر بطور خادمہ کام کر چکی تھی، پھر بعد میں اس کی شادی یزید سے ہوگئی۔

روایت میں آتا ہے:

''جب اسیرانِ کربلا کو دمشق لایا گیا تو ایک عورت یزید کی بیوی نہد بنت عبداللہ کے پاس آئی، ہند کے دل میں اہل بیت کی محبت بھری ہوئی تھی، اس عورت نے نہد کے پاس آ کر کہا:''

''اے نہد! ابھی ابھی یہاں کچھ قیدیوں کو لایا گیا ہے، میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں، آپ آئیں اور انہیں دیکھ کر اپنا دل بہلائیں۔''

یہ سن کر نہد بنت عبداللہ اٹھی اس نے عمدہ لباس زیب تن کیا، چادر اوڑھی اور اپنی خادمہ کو حکم دیا:

''میرے لیے کرسی لگائی جائے تا کہ آرام واطمینان سے بیٹھ کر قیدیوں کو دیکھ سکوں۔''

جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی، آپ رضی اللہ عنہا نے اسے بغور دیکھا تو پہچان گئیں، اور اپنی بہن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کہا:

''کیا آپ (رضی اللہ عنہا) نے اس عورت کو پہچانا؟''

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''نہیں! میں نے اسے نہیں پہچانا۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''بہن! ہماری کنیز نہد بنت عبداللہ، جو ہمارے گھر میں کام کاج کیا کرتی تھی۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بات سن کر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا، اسی طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی سر جھکا لیا تا کہ نہد ان کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

نہد بنت عبداللہ ان دونوں کو بغور دیکھ رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر پوچھا:

''آپ نے آپس میں گفت وشنید کے بعد خاموشی سے سر کیوں جھکا لیے ہیں، کیا کوئی خاص بات ہے؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑی رہیں، نہد نے پھر پوچھا:

''آپ کا تعلق کس علاقہ سے ہے؟''

اب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکیں اور کہنے لگیں:

''ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔''

نہد بنت عبداللہ نے مدینہ کا نام سنا تو فوراً اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی:

''کیا آپ اہل بیت کو جانتی ہیں؟''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

''آپ مدینہ کے کن لوگوں کے متعلق جاننا چاہتی ہیں؟''

نہد بنت عبداللہ نے کہا:

''میں اپنے آقا علی (رضی اللہ عنہ) کے گھرانے کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہوں، کیا آپ انہیں جانتی ہیں؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تم علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے گھرانے کو کیونکر جانتی ہو؟''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھرانے کا نام سن کر نہد بنت عبداللہ کی آنکھوں سے فرطِ محبت سے آنسو بہہ نکلے وہ کہنے لگی:

''میں اس گھرانے کی خادمہ تھی، اور وہاں کام کیا کرتی تھی، میں اس گھرانے سے بے حد محبت کرتی ہوں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تم ان کے گھرانے کے کن افراد کو جانتی ہو اور کن کے متعلق پوچھنا چاہتی ہو؟''

نہد بنت عبداللہ نے کہا:

''میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد مطہرہ کے متعلق جاننا چاہتی ہوں، کیا آپ مجھے ان کے متعلق کچھ بتائیں گی؟

خصوصاً اپنی آقا زادیوں سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) اور سیدہ ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) اور حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور کہنے لگیں:

''تو نے جو کچھ پوچھا ہے میں بتاتی ہوں، سو ہم اس گھر کو خالی چھوڑ آئے تھے، تو نے جس حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق دریافت کیا ہے، تو دیکھ حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر تیرے شوہر یزید کے سامنے رکھا ہے، تو نے اولادِ علی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق پوچھا ہے تو سن ان سب کے جوان مار دیے گئے ہیں، سب جوانوں کو کربلا کے ریگ زار میں بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا ہے، تو نے زینب (رضی اللہ عنہا) کے متعلق پوچھا ہے تو جگر تھام لے، میں زینب (رضی اللہ عنہا) ہوں، اور یہی میری بہن ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) ہے۔''

یہ دردناک جواب سن کر نہد بنت عبداللہ شدت تکلیف سے چلا اٹھی، وہ اپنا چہرہ پیٹ کر کہنے لگی:

میرے آقا زادوں کے ساتھ یہ ظلم کیوں ہوا! کاش میں اس سے پہلے اپنی بصارت کھو بیٹھتی۔''

نہد بنت عبداللہ روتے روتے بے حال ہوئی جا رہی تھی، اس نے ایک پتھر اٹھا کر اس زور سے اپنے سر پر مارا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور وہ بے ہوش ہو گئی، جب ہوش میں آئی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

''اے نہد! تو اپنے گھر چلی جا، تمہارا شوہر ایک ظالم انسان ہے، وہ کہیں تمہیں بھی کوئی نقصان نہ پہنچا دے، ہم اپنی مصیبت کا دکھ جھیل لیں گے۔''

نہد بنت عبداللہ نے جواب دیا:

''اللہ رب العزت کی قسم! مجھے اپنے آقا حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہے، میری زندگی کا سکون ختم ہو گیا ہے، اور اب میں زندگی کے باقی لمحات اسی طرح روتے ہوئے گزار دوں گی، آپ (رضی اللہ عنہا) میرے گھر آئیں ورنہ میں بھی یہیں بیٹھی رہوں گی۔''

یہ کہہ کر نہد بنت عبداللہ اٹھ کھڑی ہوئی، اپنی چادر اتار کر سینہ پیٹتی ہوئی برہنہ

سر یزید کے پاس آئی، یزید اس وقت لوگوں کے مجمع عام میں بیٹھا ہوا تھا۔

نہد بنت عبداللہ نے یزید سے کہا:

"اے یزید! کیا تو نے حکم دیا ہے کہ آقا زادے حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو نوک نیزہ پر سوار کر کے دروازہ پر لٹکایا جائے، نواسہ رسول کا سر اور میرے دروازے پر؟"

یزید یہ دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا، وہ بھرے مجمع میں اپنی زوجہ کو اس حال میں دیکھ کر بھڑک اٹھا، اسے چادر پہنائی اور کہنے لگا:

"ہاں! یہ حکم میں نے ہی دے رکھا تھا، اب تو نواسہ رسول پر ماتم کرنا چاہتی ہے تو بے شک گریہ و زاری کر، حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد نے جلد بازی کی اور حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر ڈالا۔"

جب یزید نے نہد بنت عبداللہ کو چادر اوڑھائی تو وہ بولی:

"خدا تجھے تباہ و برباد کرے، اپنی زوجہ کو بھرے مجمع میں برہنہ سر دیکھ کر تیری غیرت جوش میں آ گئی، لیکن تو رسول زادیوں کو کھلے عام برہنہ سر کر کے بازار اور دربار میں لایا، اور ان کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے لاتے ہوئے تمہاری غیرت کہاں جا سوئی تھی، انہیں اس خرابہ میں بند کر کے خود کیونکر سکون کی نیند سویا۔
خدا کی قسم! تو جب تک انہیں میرے ساتھ نہیں بھیجے گا، میں تیرے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔"

نہد بنت عبداللہ کی باتیں سن کر یزید نے حکم دیا:

"رسول زادیوں کو فوری طور پر مدینہ روانہ کر دیا جائے۔"

## یزید کی پشیمانی

یزید اپنے کیے پر پشیمان تھا، اب وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس نے جو کام کیا ہے،

وہ بہت ہی برا کام تھا، اس لقمہ کو نگلنا یا اگلنا ناممکن ہو رہا تھا، وہ عجیب دوراہے پر کھڑا تھا، وہ اپنے ردعمل کا اثر کسی طرح بھی ختم نہیں کر پا رہا تھا، آخر اس نے ارادہ باندھا کہ کسی طرح اس کی اثر پذیری کو کم کیا جائے۔

اس نے کئی لوگوں سے مشاورت کی، ان میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، اس مشاورت کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس قدر جلد ممکن ہو قافلہ اہل بیت کو واپس مدینہ روانہ کر دیا جائے، اس طرح لوگوں کی شدت پسندی کم ہونے کا احتمال ہے، کیونکہ واقعہ کربلا کے لوگوں کے اذہان و قلوب پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اور یزید کو خدشہ تھا کہ کہیں اس کے خلاف بغاوت نہ اٹھ کھڑی ہو، لوگ اندر ہی اندر مشتعل ہو رہے تھے۔

وہ چاہتا تھا کہ شام میں شور و احتجاج دب جائے اور بغاوت کا خطرہ ٹل جائے، خود یزید بھی دل میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا، کیونکہ وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو چکا تھا، اسے اس بات کا فہم وادراک نہیں ہو رہا تھا کہ کیا کرے، اس لیے اسے لوگوں کا یہ مشورہ اور حل پسند آیا۔

اب یزید اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دل جوئی پر مائل ہوا، اس نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو دربار میں طلب کر کے اپنے پہلو میں بٹھایا، اور شفقت بھری نگاہ سے انہیں دیکھ کر کہنے لگا:

"خدا! ابن زیاد پر لعنت کرے، جس نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے والد محترم کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا، اور ان پر اس قدر ظلم ڈھائے۔
خدا کی قسم! اگر حسین (رضی اللہ عنہ) میرے سامنے آجاتے تو میں ان کی تمام تر خواہشات کا بہتر جواب دیتا۔"

اس کے بعد اس نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہا:

''اگر آپ (رضی اللہ عنہ) چاہیں تو شام میں ہی سکونت اختیار رکھیں، اگر مدینہ جانا چاہیں تو آپ (رضی اللہ عنہ) کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی، آپ (رضی اللہ عنہ) جہاں تشریف لے جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں پہلے اپنی پھوپھو سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) سے مشاورت کروں گا، اور ان کی رائے کو ترجیح دوں گا۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا سے مشاورت کے بعد طے پایا کہ قافلہ اہل بیت شام سے مدینہ منورہ روانہ ہو جائے۔

یزید کو یہ رائے بڑی پسند آئی، وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملک شام سے کہیں اور منتقل کر دے تا کہ شام میں یزید کے خلاف کوئی سازش نہ پھوٹ سکے، اس نے سفر کے انتظامات کا حکم دے دیا۔

یزید کی یہ نرم دلی دکھانے کی وجہ اس کی پشیمانی نہ تھی، بلکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خواتین کی حالت زار دیکھ کر لوگ مشتعل ہو رہے تھے، یہ دیکھ کر یزید بوکھلا اٹھا کہ کہیں یہ اضطراب کسی طوفان کی صورت نہ اختیار کر لے، یزید کی سوچ کا ایک دھارا یہ بھی تھا کہ اگر اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین شام میں مقیم رہے تو لوگ پرچم بغاوت بلند کر دیں گے، کیونکہ کربلا کے واقعہ کے ثمرات ظاہر ہونے لگے تھے۔

اگر ایسا ہو جاتا تو یزید کے لیے اس بغاوت کو کچلنا بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا، اس سے قبل کہ صورت حال مزید سنگین ہوتی حالات زیادہ خراب و مخدوش ہوتے، اس کا سد باب کرنا ضروری تھا، کیونکہ اگر انقلاب کا پودا جڑ پکڑ لیتا تو یہ طوفان وسعت اختیار کر جاتا، اس لیے یزید نے یہ مناسب سمجھا کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے گفت و شنید کر کے ان سے معذرت کرے، اور خود کو اس خونچکاں واقعہ سے بری الذمہ قرار

دے سکے، اس لیے اس نے سارا الزام ابن زیاد کے سر دھر دیا۔

یزید نے مکروفریب کے پردہ میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہا:

''خدا مرجانہ کے بیٹے پر لعنت کرے، خدا کی قسم! اگر حسین (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ ہوتا تو وہ جو کچھ مجھ سے طلب کرتے میں انکار نہ کرتا انہیں دے دیتا، اگر اس مقصد کے حصول کے لیے مجھے اپنی اولاد کی قربانی بھی دینا پڑتی تو بالکل دریغ نہ کرتا، مگر جو ہونا تھا وہ تو وقوع پذیر ہو چکا، اب تقدیر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

اے بیٹے! تمہیں جو کچھ چاہیے، مجھے ایک تحریر لکھ دو تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں، میں جانتا ہوں کہ تمہارے اہل قبیلہ اس سلسلہ میں ضروری اقدامات بھی کریں گے، لیکن تم ان کا ساتھ بالکل نہ دینا۔''

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بات سنی تو اس کی طرف سے رخ پھیر لیا، اور اسے کوئی جواب نہ دیا، وہ یزید کی چال کو بھانپ چکے تھے، کیونکہ یزید اپنی رسوائیوں اور اپنے جرائم کو چھپانے کے لیے بے تاب ہوا جا رہا تھا۔

یزید نے اسیرانِ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سرہائے شہدا کو بازاروں اور کوچوں میں اس لیے پھرایا کہ وہ خواہش رکھتا تھا کہ اس تشہیر سے لوگوں کے دل ان کی طرف سے پھر جائیں، دوم یہ کہ عبرت ناک سزا کے خوف سے عوام الناس اس کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں، وہ لوگوں کی حق گوئی اور اعلان صداقت کی جرأت کو گرہ لگانا چاہتا تھا، مگر اس کا یہ منصوبہ کامیابی کی منزل طے نہ کر پایا، اور سب کچھ اس کے برعکس ہوا، یزید کی تمام امیدوں، آرزوؤں اور خواہشات مٹی کا ڈھیر ثابت ہوئیں۔

اسیران اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مظلومیت اور شدائد و مصائب نے عوام کے دلوں کو پگھلا کر رکھ دیا تھا، وہ یہ مظالم دیکھ کر تڑپ اٹھے تھے، ان کا صبر و تحمل پارہ پارہ ہو چکا تھا،

صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی اور یہودی بھی یزید سے نفرت کرنے لگے تھے۔

اس پر مستزاد یہ کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات اور تقاریر نے لوگوں کو اصل واقعات وحقائق سے روشناس کرا دیا تھا، اب ساری حقیقت کھل چکی تھی، ان کے سوئے ہوئے ضمیر بیدار ہو چکے تھے، اور ان میں باطل کو باطل سمجھنے کی استطاعت اور فہم وفراست کے چراغ روشن ہو چکے تھے۔

لوگوں کو اس بات کا فہم و ادراک ہو چکا تھا کہ پورے خاندان کی بربادی، اسیری، دربدری اور قید و بند کی سخت ترین سزاؤں کے باوجود اسیرانِ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھرانے کی عفت مآب خواتین اور معصوم بچے تک اس قدر جری اور نڈر ہیں اور ان کے مدمقابل یزید اور اس کے ساتھی، جو اخلاقی جرأت سے بالکل ہی عاری ہیں، یزید کے خبر رساں اسے ان تمام باتوں کی خبریں مسلسل پہنچا رہے تھے، جو عوام میں اس کے مظالم اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صبر وتحمل کے متعلق ہر طرف گونج رہی تھیں، یہ بڑی تشویش ناک خبریں تھیں، جس نے یزید کی راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد کر دیا تھا، وہ کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا، جس سے اسے گلوخلاصی ہو سکے۔

یزید چند روز اسی شش و پنج میں مبتلا رہا کہ اسے عوام پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے کیا اقدامات کرنے چاہیے؟ وہ اس خفت کو مٹانا چاہتا تھا۔

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ جب اسیران کربلا کی آمد اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبریں یزید کی بیوی نہد بنت عبداللہ تک پہنچیں تو وہ محل سرا سے دربار میں آئی اور یزید سے پوچھا:

”کیا یہ حسین (رضی اللہ عنہ) بن علی (رضی اللہ عنہ) کا سر ہے؟“

یزید نے کہا:

''ہاں! یہ حسین (رضی اللہ عنہ) بن علی (رضی اللہ عنہ) کا سر ہے، اب تم ان کا ماتم کرو، خدا ابن زیاد پر لعنت کرے جس نے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں شہید کر ڈالا۔''

تاریخ ابن خلدون اور تاریخ طبری میں درج ہے:

''جب یزید کے حرم کو قتل حسین (رضی اللہ عنہ) اور اسیری اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خبر ہوئی تو اس کے زنان خانہ میں کہرام برپا ہو گیا، اس کے بعد یزید کی سوچ کے دھارے بدل گئے، اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ خود اس کے اہل خانہ اس کے اس عمل سے متنفر اور رنجیدہ ہیں۔''

اس زمانہ کی بات ہے یزید نے ایک روز حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو دربار میں طلب کیا، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یزید سے پوچھا:

''اے یزید! سچ بتاؤ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس حال میں دیکھتے تو کیا رنجیدہ نہ ہوتے؟''

یہ سن کر یزید نے سر جھکا لیا اور بولا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) درست فرما رہے ہیں، ایسا ہی ہوتا۔''

اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مصائب و شدائد اور یزید اور اس کے مصاحبین اپنے عمل کی سنگینی کو بخوبی جانتے تھے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خونِ ناحق اب سرخروئی لا رہا تھا، یزید کو اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ ان حضرات کو مصائب میں مبتلا رکھ کر اس نے سنگین غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اب انقلاب کے آثار نمودار ہو چکے ہیں، جو کسی بھی لمحہ مزید شدت اختیار کر سکتا ہے، اب تو خود اس کے گھر میں بھی مخالفت شروع ہو چکی تھی، اور اس کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔

یزید کی تباہ کاریوں میں سے ایک بات جو اس کی جہالت اور نااہلی کی مظہر

ہے، وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون بہا کا مسئلہ تھا، یزید نے ایک خاص دربار منعقد کر کے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اور دیگر اسیران اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کو طلب کیا، یزید اس دربار میں ان اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا، اس بار پھر اس نے اپنے سابقہ الفاظ دہرائے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا عذر پیش کیا۔

یزید نے اپنی گفتگو کے اختتام پر زرو جواہر سے بھرا ہوا ایک برتن حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت عالیہ میں پیش کرتے ہوئے کہا:

"یہ حسین (رضی اللہ عنہ) کا خون بہا ہے، آپ اسے قبول فرمالیں۔"

یہ سن کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ضبط کا یارا نہ رہا، اور آپ رضی اللہ عنہا نے بلند آواز میں فرمایا:

"یزید! تم کس قدر بے شرم اور بے حیا ہو، تم کس قدر دیدہ دلیری اور بے شرمی سے میرے بھائی کو قتل کرنے کے بعد اور میرے پورے خاندان کو شہید کرنے کے بعد اب یہ ستم ڈھا رہے ہو کہ ان مظلومین کا خون بہا پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہو۔"

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر یزید پر مطلقاً شرمندگی و خجالت ظاہر نہ ہوئی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یزید کی طرف سے دیا گیا خون بہا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہاں قارئین کے لیے واقعہ قدرے مختلف انداز میں مکرر بیان کیا جاتا ہے

جب یزید نے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدینہ منورہ بھیجنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو اس نے سوچا کہ اگر عترت رسول مدینہ جا کر میرے جرائم اور گھناؤنے کردار سے لوگوں کو مطلع کریں گے تو عین ممکن ہے کہ میرا یہ تخت و تاج مجھ سے چھن جائے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ انہیں کچھ مال و دولت دے کر خاموش کرا دیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے حکم دیا تھا:

''میرے تخت کے سامنے مال و دولت اور زر و جواہر کا انبار لگا دیا جائے۔''

یزید کے حکم پر کثیر رقم اور قیمتی اشیاء کا ڈھیر لگا دیا گیا، پھر اس نے حکم دیا:

''اہلِ بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو قید خانے سے یہاں لایا جائے۔''

جب اسیران کو دربار میں لایا گیا تو یزید نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے اس دولت کو قبول کر لینے کے لیے کہا۔

یزید کی اس حرکت پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جلال میں آ گئیں اور غصے کی حالت میں فرمایا:

''کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ نواسہ رسول کو قتل کر کے اب ان کے مقدس خون کو ڈھانپنا چاہتا ہے؟

تم بھائی کو شہید کر کے بہن کو رشوت دینے کی کوشش کر رہے ہو، کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔

خدا کی قسم! زمین و آسمان ایک ہو سکتے ہیں، لیکن تیرے یہ مذموم عزائم کبھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔''

اس دربار میں یزید اور حضرت سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے درمیان جو گفت و شنید ہوئی، ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان بھی شامل تھا:

''کوفہ اور شام میں ہمیں حسین (رضی اللہ عنہ) کا سوگ منانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اب ہمیں اجازت دی جائے کہ اس شہر میں شہدائے کربلا کا سوگ منا سکیں۔''

یزید شام میں آلِ رسول کی سوگواری پر بالکل آمادہ و تیار نہ تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس طرح لوگوں میں اس کے خلاف غم و غصے کی فضا تیار ہو گی، ممکن ہے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑیں ہوں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

**فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا**

''عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب۔'' (سورہ النساء: 139)

اس فرمان کو سامنے رکھنا ہو گا کہ وہ جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے، بالخصوص جو خود کو اس کے ساتھ منتقل کرے، اور اس کی ذات کے ساتھ اپنا ربط و ضبط بحال رکھے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

**وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ**

''اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے'' (سورہ آل عمران: 26)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس لیے گرانقدر عزت و آبرو اور تحریم کے حامل ہیں کہ انہوں نے راہ خدا میں نہ صرف جان و مال بلکہ اپنی پوری ہستی قربان کر دی، اس لیے اللہ رب العزت نے بھی انہیں عظیم الشان عزت سے نوازا، ایسی بے مثال عزت جس نے از خود ہی آپ رضی اللہ عنہ کے قاتل کے دل میں گھر کیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی وہ جلیل القدر اور صاحب تحریم بہن ہیں، جسے زمانہ نے واقعہ کربلا کے بعد بھوک و پیاس میں مبتلا رکھا، شدائد و مصائب میں گھیرا، زمانہ نے انہیں اسیر کربلا اور خاک نشین دیکھا، اور آج وہی زینب رضی اللہ عنہا ہیں کہ آل ابوسفیان اور دربار یزید کے امرا کی خواتین ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اپنی طرف سے تعزیت پیش کر رہی ہیں۔

شام میں چند دن سوگ منانے کے بعد اسیران اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس قافلہ کے لیے جو عملی طور پر آزاد کیا جا چکا تھا، محملیں تیار کی گئیں اور قرار پایا:

''پورے شان و شوکت اور عزت و توقیر کے ساتھ انہیں مدینہ پہنچا دیا جائے۔''

یزید کے حکم پر اونٹوں کی بھرپور آرائش کی گئی، انہیں ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا، جس طرح پر اشراف زمانہ سفر کے دوران آراستگی کا اہتمام و انصرام کیا کرتے ہیں، لیکن بظاہر سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے حکم کی تعمیل کی گئی کہ محمل کو سیاہ پوش کر کے شہداءٔ کی تمام علامات قائم کی جائیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یزید یونہی رہائی اسیران اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آمادہ و تیار نہیں ہوا تھا، اب وقت آ چکا تھا کہ لوگ اصل واقعات و حقائق اور ظلم و ستم کا نشانہ بننے والی اولاد رسول کو جاننے لگیں، اور انتہا تو یہ ہوئی کہ یزید کو خود اپنے گھر میں آثار انقلاب نظر آنے لگے۔

کاروان اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح عازم مدینہ ہوا کہ بنی اسد کے تمام ارباب اقتدار اور سرداران قبیلہ نے اس کارواں کا دور تک ساتھ نبھایا، یہ وہ وقت تھا کہ دیکھنے والی آنکھ نے اس متحرک کاروان کو تاسف بھرے انداز میں دیکھا، یہ بہت بڑا انقلاب تھا، جس کے ثمرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے کہ بنی امیہ کے وہ لوگ جو قافلے کو وداع کرنے کے لیے دور تک اس کے ساتھ چلے، اپنی تمام کارکردگیوں پر شرمسار تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ ان اسیران اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ برائی کے مرتکب ہوئے ہیں، کوئی تو ان کی مظلومیت اور مصائب کا مذاق اڑاتا رہا تھا تو کوئی اپنی تند و تیز باتوں سے ان کے جگر چھلنی کرتا رہا تھا۔

اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ قافلہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف رواں دواں رہا، آہستہ آہستہ شام سے دور ہوتا ہوا اپنی منزل مقصود کے قریب تر ہوتا چلا گیا، یہ قافلہ سفر کرتا ہوا ایک ایسے دوراہے پر پہنچا جہاں سے ایک راستہ کربلا کی طرف جاتا تھا اور دوسرا مدینہ منورہ کی طرف۔

اس مقام پر پہنچ کر قافلہ کچھ دم کے لیے رکا، اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا:

''آپ (رضی اللہ عنہا) کہاں کا ارادہ رکھتی ہیں؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''پہلے کربلا جانے کا ارادہ ہے تاکہ زیارت سید الشہداء ہو سکے۔''

سردار قافلہ نے اس حکم پر سرِ تسلیم خم کیا، اور قافلہ کربلا کی طرف عازم سفر ہوا، کربلا میں وارثانِ شہدا کی آمد سے 10 محرم الحرام 61ھ کے واقعات تازہ ہو گئے، مختلف مقامات پر گزرے ہوئے واقعات زندہ تصویر بنے ہوئے تھے، خواتین اور بچوں کے حافظوں میں یہ باتیں تازہ ہونے لگیں کہ خیمہ گاہ اس جگہ تھی، قتل گاہ یہاں تھی، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا خیمہ اس جگہ تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام رخصت یہ تھا، یہاں ظالموں سے تازیانے پڑتے تھے، یہ وہ جگہ تھی جہاں خیموں میں آگ لگائی گئی، اور بچے خود کو چھپانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بھاگتے پھرے تھے۔

یہ مناظر تازہ ہوتے ہی ہر طرف آہ و فغاں کی فضا ہو گئی، درد دل انتہا کو پہنچ گیا، ہر کوئی کسی گوشہ میں یا کسی قبر پر بیٹھا اشک بہا رہا تھا، آج فرق صرف یہ تھا کہ سب اطمینان اور سکون کے ساتھ اشک ریزی میں مصروف تھے، آج انہیں کوئی تازیہ مارنے والا نہ تھا، آج کسی کے طمانچوں کا ڈر و خوف نہ تھا، وہ سب شہدا کی یاد میں آنسو بہا رہے تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ مرقدِ امام حسین رضی اللہ عنہ پر تشریف لائیں، انتہائی پُرسوز انداز اور نمناک آنکھوں سے محترم اور عزیز از جاں بھائی کی قبر مطہر پر سفر کی روداد بیان فرمائی، اپنے جگر کے زخم اور دینِ حق کی پیغام رسانی کی تمام کیفیات اور واقعات گوش گزار کیے۔

اس موقع پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے عالی قدر بھائی سے امانتوں کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

''آپ (رضی اللہ عنہ) نے کس طرح معصوم اور یتیم بچوں کی حفاظت فرمائی تھی، مگر

صد افسوس کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کی پیاری صاحبزادی رقیہ (رضی اللہ عنہا) کو میں ہمراہ نہ لاسکی، جس کو میں بطور امانت دمشق کی خاک کے سپرد کر آئی ہوں۔"

یہ پریشان اور زبوں حال قافلہ کتنے روز تک کربلا میں مقیم رہا، تاریخ کے اوراق اس کا تعین کرنے سے پردہ مخفی میں ہیں۔

کربلا سے مدینہ منورہ کا سفر شروع ہوا، شہر مدینہ میں داخل ہونے سے قبل ایک شخص کو بھیجا کہ اہل شہر کو خبر دی جائے:

"اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) لوٹ آئے ہیں۔"

بشیر جزلم شہر مدینہ میں آ کر روضہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پہنچا اور یوں گویا ہوا:

"اے مدینہ کے لوگو! تمہارے لیے اب کوئی جائے پناہ نہیں، امام حسین رضی اللہ عنہ مار ڈالے گئے، لہٰذا بے حد آنسو بہاؤ، ان کا بدن خاک گرم ریت پر پھینک دیا گیا، اوران کا سر مبارک نیزہ پر بلند کیا گیا۔"

دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ بھر کی فضا سوگواری میں بدل گئی، ہر آنکھ اشکبار تھی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہر طرف پہنچ چکی تھی، اہل مدینہ خاندان رسول کے استقبال کے لیے شہر کے دروازہ کی جانب بڑھنے لگے۔

اہالیان مدینہ شہر کے دروازہ پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بے داماں قافلہ سے جا ملے، اورانہوں نے اسیرانِ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کی، جن کے چہرے تغیرِ زمانہ اور گردشِ حالات کا شکار ہو چکے تھے، آنکھوں میں اداسی کے ڈیرے تھے، پریشانی والم ان کے چہروں سے ظاہر تھی، پریشانی اور تباہی کا یہ عالم تھا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہر طرف دیکھتے مگر انہیں پہچان نہ پاتے تھے۔

کربلا کے پورے المیہ میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ہر طرح سے شریک تھیں، وہ

کوئی بے کس و مجبور خاتون نہیں تھیں، وہ عزم و ہمت کا پیکر تھیں، جس وقت ان کی نگاہ روضہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پڑی تو فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

''اے ہمارے جد کے مدینہ! تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم
حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔
ہم جب تجھ سے نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل وعیال موجود تھے،
اب ہم واپس آئے ہیں تو ناامید و مایوس ہیں
ہم ضائع ہو گئے، ہمارا کوئی کفیل و مددگار نہیں ہے
ہم نوحہ کرتے اور روتے ہیں، ہم وہ ہیں جو در بدر اونٹوں پر پھرائے گئے
اور ان اونٹوں پر سوار کیے گئے جو برے اور بے سامان تھے۔
ہم دختران یٰس و طٰہٰ ہیں، ہم وہ لوگ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں
اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں کو جو پیشوا تھے۔
آگاہ ہوا اے جد بزرگوار! کہ لوگوں نے حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر ڈالا
ہماری ہتک حرمت کی اور ننگے اونٹوں پر سوار کر کے ہمیں در بدر پھرایا
زینب (رضی اللہ عنہا) کو انہوں نے بے پردہ کیا، اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا کوئی معین
نہ تھا، سکینہ (رضی اللہ عنہا) شدت گرمی سے شکایت کرتی تھی
زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو قید کیا، اور اس کے قتل کا ارادہ کیا
ہائے! ہمیں شہر شہر پھرایا، تمام خلقت کے سامنے ہم کو رسوا کیا
یہ ہے ہمارے واقعہ کی تشریح
پس اے مسلمانو! ہمارے واقعہ پر آنسو بہاؤ۔''

۞

# عوام میں شعور و بیداری

سب اہل مدینہ اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے استقبال کے لیے امڈ آئے تھے، نوحہ و ماتم کی صدائیں آنا شروع ہو گئی تھیں، شہر میں غم و الم کی فضا چھا گئی تھی، یوں لگتا تھا جیسے ہر طرف تباہی و بربادی آ گئی ہے۔

سب لوگ اشکبار، غم زدہ اور نوحہ کناں تھے، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہو، لوگ اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جوق در جوق حاضر ہو رہے تھے، لوگوں کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ہر ایک سے گفتگو کرنا دشوار ہو گیا تھا، ہر شخص یہ خواہش رکھتا تھا کہ نواسہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بوسہ دے اور اپنے بے پناہ غم کا اظہار کرے۔

لوگوں کے اخلاص اور بے پناہ محبت کو دیکھ کر حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہو گئے، ان کی آنکھیں اشکبار دیکھ کر لوگوں کا ضبط ٹوٹ گیا، حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور خاموش رہنے کا کہا، لوگوں کے خاموش ہوتے ہی حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے انہیں خطاب فرمایا اور مظلومیت کی داستان بیان فرمائی۔

اب تو لوگوں میں صبر کا یارا نہ رہا، سب ہی دھاڑے مار مار کر رونے لگے۔

اس کے بعد کاروان اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین شہر میں داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مطہر کے آثار نگاہوں کے سامنے آئے تو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے

یہ نوحہ کہا:

''اے ہمارے نانا کے شہر مدینہ! اب ہم یہاں آنے کے قابل نہیں رہے، ہم غموں اور حسرتوں سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ آئے ہیں، ہم جب گئے تھے تو بھرا گھر ساتھ تھا، اب واپس آئے ہیں تو نہ ہمارے مرد واپس آئے ہیں اور نہ ہی پیارے بچے۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا روتے روتے مسجد نبوی کے دروازہ سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں:

''نانا! میرا بھائی مارا گیا، میرے حسین (رضی اللہ عنہ) کوشہید کر دیا گیا۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے دونوں ہاتھوں سے مسجد نبوی کا دروازہ پکڑ لیا اور سر جھکا کر عرض کرنے لگیں:

''اے نانا جان! ہم پر جو کچھ گزری، اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شکایت کرتی ہوں۔

اللہ کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ بدبخت، ظالم، سنگدل اور اس سے برا انسان نہیں دیکھا۔''

تمام بنی ہاشم اور خاندان رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) گریہ وزاری کرتے ہوئے اصحاب رسول اور قریش کی خواتین کے ہمراہ اپنی شکایت پیش کر رہے تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حوادث کربلا کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرماتیں، آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ خاندان رسول پر کہاں کہاں کیا کیا گزرا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں اور بھائیوں پر کیا گزری، اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کس طرح اسیر کیا گیا، اور دوران اسیری کیسے کیسے مسائل و حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا انقلاب حسینی کی زندہ تاریخ کی حیثیت رکھتی ہیں، وہ خود واقعات بیان فرماتی ہیں، اور سامعین ان تمام واقعات کو اپنے قلوب

میں محفوظ کر کے تاریخ کی زینت بناتے ہیں۔

واقعات کربلا کے بیان، شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اصحابِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خبر شہادت پہنچانے میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے بنی امیہ کے اقتدار کے خلاف عوامل انقلاب کامل طور پر فراہم کر دیے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے واقعات کربلا کے بیان سے لوگوں میں بنی امیہ کی حکومت کے خلاف جذبات کو بیدار کر دیا، اور یہی ان کا کارنامہ ہے، جس کے ثمرات بتدریج ظاہر ہونا شروع ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس بات کی خواہاں تھیں کہ استبداد کی بساط ناحق کو لوگوں کے درمیان سے لپیٹ دیا جائے، اور اسلام کے جھوٹے داعیوں کا چہرہ بے نقاب کیا جائے، اس کے ساتھ ہی خون امام حسین رضی اللہ عنہ کا انتقام کا مسئلہ تھا جو اللہ جل جلالہ کو لینا تھا، جس کا تعلق روز محشر سے تھا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے شہدائے کربلا کی خاموش فریادوں کو لوگوں کی سماعت تک پہنچا کر دم لیا، واقعہ کربلا کا ایک ثمر یہ بھی تھا کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہا کو خاطر خواہ کامیابی ملی اور آپ رضی اللہ عنہا اس میں سرخرو ہوئیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رسوائی کے تمام حالات جو دشمنان دین نے پیدا کیے تھے لوگوں کے گوش گزار کیے، یہ سب کچھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ایسے اسلوب کے ساتھ انجام دیا کہ دشمن خود رسوا ہو جائیں، اور عوام الناس کو اس بات کا فہم و ادراک ہو کہ ان مسائل کے پس پشت کیا واقعات و حقائق اور عوامل کارفرما تھے۔

اس کا ثمر یہ ملا کہ لوگوں میں بیداری پیدا ہوئی، اور دشمنان اہل بیت اطہار کے جرائم و مظالم آشکار ہوئے، ان کی خباثتیں بے نقاب ہوئیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جام شہادت سے سیراب ہوئے، لیکن غیر معمولی قابلیت اور اہلیت کے مبلغ اپنی جگہ دنیا میں جانشین کر گئے، جس میں ہر ایک فصاحت و بلاغت کے کمال پر فائز تھا، مردوں میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اور خواتین میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں سیدہ سکینہ (رضی اللہ عنہا) اور سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تھیں، ان سب کی رئیس و سردار خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ تھیں۔

ان تمام احباب کی موجودگی میں مدینہ منورہ میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، مدینہ کا والی عمرو بن سعد اس سے خوف زدہ ہو گیا، اس نے یزید کو ایک خط لکھ کر حکم طلب کیا۔

اس نے خط میں لکھا:

''سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) کا وجود اہل مدینہ کے احساسات کو ہیجان میں لانے اور بے چین کرنے کا سبب ہے، وہ ایک فصیح و عقل مند خاتون ہیں، ان کے اصحاب اور خود انہوں نے خون حسین (رضی اللہ عنہ) کے انتقام لینے کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

یزید نے خط کے جواب میں لکھا:

''ان لوگوں سے میل جول ختم کر دو۔''

اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ واقعہ کی ایک اور اساس پیدا ہو گئی اور ایک نئی صورت حال سامنے آ گئی، جس کے نتیجہ میں ان محترم مسافران کے لیے ایک دور دراز کے سفر کی راہ کھل گئی، جس میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر شریک ہونا پڑا۔

یزید کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا قیام مدینہ ناگوار محسوس ہوا، اس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو والئی مدینہ کے ذریعے کہلوا بھیجا:

"آپ (رضی اللہ عنہا) مدینہ چھوڑ کر کسی اور شہر چلی جائیں، آپ (رضی اللہ عنہا) جہاں جانا چاہیں ہم وہاں آپ (رضی اللہ عنہا) کے قیام کا مکمل بندوبست کیے دیتے ہیں۔"

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو یزید کا پیغام ملا تو غضب ناک ہوگئیں اور جواب دیا:

"ہم اپنے گھر بار لٹنے اور رسول زادوں کے قتل کا غم دل میں لیے ہوئے ہیں، اور اس بات سے حاکم وقت اچھی طرح آگاہ و مطلع ہے کہ اس نے کس طرح اہل بیت اطہار کو ستایا اور رسول زادیوں کی گردنوں میں رسی ڈال کر ان کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک کیا۔
ہم اب تک ہر قسم کے مظالم برداشت کرتے آئے ہیں، لیکن خدا کی قسم! اب ہم اپنے نانا کے شہر سے کبھی نہ نکلیں گے، خواہ ہمارے خون کی ندیاں بہادی جائیں۔"

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے اس جرأت مندانہ جواب کے باوجود یزید کی طرف سے پیغام پر پیغام آنے لگے، بنی ہاشم کی خواتین پہلے ہی خوف زدہ تھیں، اور حاکم وقت کے مظالم کا شکار ہو چکی تھیں، انہوں نے مدینہ چھوڑ دینا ہی مناسب جانا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایام زیست میں بہت سے سفر کرنا پڑے، ذیل میں ان اسفار کی مختصراً تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

کوفہ کا سفر اس زمانہ میں واقع ہوا جب آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوئے اور اس شہر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر مکرم حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں کے ہمراہ کوفہ روانہ ہوئیں اور وہیں سکونت پذیر ہوئیں۔

پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پورا خاندان

مدینہ واپس آ گیا، یوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی مدینہ منورہ لوٹ آئیں۔

مدینہ منورہ سے عراق کا سفر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے برادر محترم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اختیار کیا، چند ماہ مکہ میں قیام فرما کر عراق روانہ ہوئیں اور کربلا جا کر رکیں۔

کربلا سے کوفہ پھر کوفہ سے شام تک کا سفر بحالت اسیری تھا، جس میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا رئیس کارواں تھیں۔

شام سے مدینہ منورہ کا سفر، اسیری کے اختتام و آزادی کے بعد ہوا۔

مدینہ منورہ سے شام یا مصر کا سفر یہ سفر آپ رضی اللہ عنہا کی وفات، آپ رضی اللہ عنہا کے مدفن اور راحتِ اخروی سے عبارت ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے جو طرز روش اختیار کی تھی اس نے بنی امیہ کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ اپنے فاسد مقاصد میں کامیاب ہو سکے یا سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی تبلیغات کا مئوثر جواب دے سکیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی گفتگو اور مباحث نے لوگوں کو فہم و شعور سے آشنا کر دیا تھا، ان کی عقول کو جھنجھوڑ ڈالا تھا، ان کے اذہان و قلوب میں بیداری کا احساس بیدار کر دیا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے طریق کار، خطبات، گفتگو، تنقید اور حکومت پر اعتراضات نے یزید کی حکمرانی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اہل شام پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ مکرم خواتین اور بچے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، یہی وہ آگہی تھی جس کی وجہ سے کونے کونے سے لوگ یزید کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، اور ہر طرف سے اس کے مظالم کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

یہ بات آپ پر پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بھی ان کی شہادت کے پیغام اور خونِ ناحق کی صدائے بازگشت کو سیدہ

زینب رضی اللہ عنہا اپنے لیے فرض قرار دے چکی تھیں، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اللہ جل جلالہ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اعلائے کلمۃ الحق، خون ناحق کی قدر و قیمت اور اس کے تقدس کی خاطر کسی چیز کو عزیز نہیں رکھیں گی، ان کی جان ہو یا مال، گھر ہو خاندان ہو یا ان کی حیات، سب سے بالاتر ہو کر سوچیں گی۔

کربلا کے میدانِ کارزار میں دو منظّم گروہ جو حیثیت میں کسی طرح بھی ایک دوسرے کے ہم پلہ نہ تھے، ایک دوسرے کے مقابل اترے، ایک جماعت وہ جو تیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی یہ لوگ ہر طرح کے سامان جنگ سے لیس تھے، انہیں اپنے دفاع کے تمام اسباب میسر تھے، پانی و خوراک کا وافر ذخیرہ ان کے پاس تھا۔

دوسری جماعت وہ تھی جو صرف 72 جاں بازوں پر مشتمل مختصر سا قافلہ تھا، جن کے پاس سامانِ جنگ نہ تھا، ان میں کمسن بچے، نوجوان اور بوڑھے سب ہی شامل تھے، ان کی زبانیں پیاس سے خشک تھیں، اور شکم غذا سے خالی تھے، جو پانی کے ایک ایک قطرے اور غذا کے ایک ایک دانے کو ترساں تھے، ان کی نگاہیں بار بار خیموں کی طرف اٹھتی تھیں، جہاں خواتین اور بچے پریشان حال تھے، بچوں کی شدتِ پیاس ان کو بے حال کیے دے رہی تھی، اور ان کی پریشانی و آزردگی میں اضافہ کر رہی تھی۔

یہ بات اظہر من الشّمس تھی کہ اس معرکہ کارزار میں مختصر اور قلیل جماعت کو ہی زیر ہونا تھا، اور ممکن تھا کہ تمام واقعہ فراموشی و نسیاں کی نذر ہو جاتا، لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا کمال کردار تھا، جس نے اس طویل و خوفناک جنگ کو لوگوں کے اذہان سے محو نہ ہونے دیا اور نہ ہی اس کے کسی واقعہ کو فراموش ہونے دیا۔

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس جنگ کی روداد، حالات اور واقعات کو جو ذہنوں سے محو ہونے کے قریب تھیں، اپنی کوشش اور لازوال شخصیت کے ذریعے نہ

صرف یہ کہ فنا ہونے سے بچالیا، بلکہ اس واقعہ عظیم کو ایسا دوام بخشا کہ زمین کربلا پر جس پیغام حریت اور استقامت نے جنم لیا تھا وہ لوگوں کی سماعت اور ان کے اذہان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا یہ اقدام اس بات کا سبب بنا کہ ہر شخص پوچھنے اور سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ آخر روئے زمین پر کتنا بڑا ظلم ہوا اور کس قدر سنگین حادثہ رونما ہوا۔

شاعر مشرق علامہ اقبال ''رموز بے خودی'' میں کہتے ہیں:

تیغ بہر عزت دیں است و بس
مقصد او حفظِ آئین است و بس
خون او تفسیر این اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ رابیدار کرد
سرِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بود
بمعنی آں اجمال را تفصیل بود

یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ہی ہستی تھی کہ ان سنگین حالات میں آپ رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد کا بطور گناہ گار، بدچلن اور دروغ گو تعارف کروایا، لوگوں کو یقین دلایا کہ یزید عدل و انصاف سے عاری ہے بلکہ وہ تو انسانیت کے بنیادی و ابتدائی اصولوں سے بھی کوسوں دور ہے، اس کے مظالم کا یہ عالم ہے کہ زخم خوردہ بچوں کے سامنے ان کے والد بزرگوار کے کٹے ہوئے سر پر چھڑی مارتا ہے۔

ایک جرمن مورخ مارٹن اپنی کتاب میں رقمطراز ہے:

''حادثہ کربلا کے بعد بنی امیہ کے رموز بے نقاب ہونے لگے، ان کی بدکاریاں آشکار ہونے لگیں، ان کے خلاف خروج اور ان کی بد اعمالیوں کی باتیں شروع ہوئیں، زینب عالیہ (رضی اللہ عنہا) نے چند مقامات

پر اپنی تقاریر اور خطبات میں بنی امیہ کے تمام دور کے نقوش کو بر آب کی طرف مٹا کر رکھ دیا، ان کے جشنوں کو سوگواری میں بدل دیا، اور واقعہ کربلا کو لوگوں میں بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کا فطری و عادی نتیجہ قرار دیا۔"

کوفہ اور بالخصوص شام میں جو کچھ ہوا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی جانب سے جو مظالم بنی امیہ آشکارہ ہوئے، جس قدر ان کے کرداروں کی صراحت ہوئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بقول مئورخین:

"لوگ دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو گئے، لوگ مسلسل آنسو بہاتے تھے، اور حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لیتے تھے، دشمنوں نے سالہا سال سے دروغ گوئی سے کام لیا تھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان کا اسی طرح تعارف کروایا گیا کہ لوگ قرآن و اسلام اور مقدسات اسلام سے بہت دور ہو گئے تھے۔"

اب یہی لوگ کنار چشم سے دیکھ رہے تھے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے خطبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے جد امجد کے طور پر تعارف کرواتی ہیں، دوران خطاب آپ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے آیات قرآنی جاری ہیں، آپ رضی اللہ عنہا نے قیامت و آخرت، راہ و رسم حکمرانی، عدالت و حق طلبی جیسے عنوانات کو اپنے خطابات کا موضوع سخن بنایا، اس کے ساتھ ظالمین پر نفرین بھی کرتی جاتی تھیں۔

لوگوں کو اس کا فہم و ادراک ہو رہا تھا کہ جو کچھ وہ دیکھ اور سماعت کر رہے ہیں اس کے برعکس ہے جو انہوں نے سن رکھا ہے، اس لیے لوگ حیرت و استعجاب میں مبتلا تھے، ان کا تاسف و غم خصوصیت کے ساتھ اسی بات پر تھا کہ اپنی غلط سماعت کی ہوئی باتوں پر انہوں نے خاندان نبوت کی بے حرمتی کی اور ان پر پتھر برسائے،

اب وہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ اپنے کیے ہوئے مظالم کا کفارہ کیسے ادا کریں۔

لوگ اپنے اعمال سے پریشان تھے، ندامت میں مبتلا تھے، اور حسرت و پشیمانی کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھے۔

ایک مشہور عرب ادیب رقمطراز ہے:

"کوفہ میں خواتین کے نالہ وفریاد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا سینہ وسر پیٹتی تھیں، اور صدائے بلند کے ساتھ اس طرح گریہ کناں تھیں جس طرح ایک فرزند مردہ کے لیے گریہ کیا جاتا ہے۔

(البیان، والتبیین)

ان لوگوں کے ضمیر نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، ان پر روحانی عذاب مسلط کر دیا تھا، بعض لوگوں پر اس روحانی عذاب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ اپنے دانتوں سے ہی اپنے ہاتھوں کو کاٹتے، یہ کیفیت شام میں کوفہ سے بڑھ کر تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل شام خانوادۂ علی رضی اللہ عنہ کو پہچانتے ہی نہ تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیغام کے ابلاغ کے ذریعے ایک آتش جاودانی عوام الناس کے اذہان وقلوب میں بھڑکا دی تھی، ایسی آگ جس کو ان کے دلوں اور ضمیروں میں واقعہ کربلا کی یاد سالہا سال تک مستقل طور پر باقی رکھنا تھی، کوفہ و شام کے لوگوں کی ذریت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بیداری اسیران اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیثیت ہی سے کافی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ عبیداللہ بن زیاد حتیٰ کہ خود یزید بھی انہیں زیادہ عرصہ اپنی حفاظت و نگہداشت میں رکھنے کو قرین مصلحت نہ سمجھتا تھا۔

## بیداری عوام الناس

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ طریق کار سے شہیدان اہل بیت

اظہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روداد اور ان کے پسماندگان کی فریادِ غم عوام کی سماعت تک پہنچی، جس سے سب لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے، اہل سماعت کو اپنی غفلت کا احساس ہوا اور وہ تلافی مافات کے لیے آہ و زاری کرنے لگے، یکے بعد دیگرے صدائے احتجاج بلند ہونے لگیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے خود کو حرم موسیٰ علیہ السلام کی سزا کے قابل جان لیا، اپنی ناشکری و لاپرواہی کو محسوس کرتے ہوئے خود کو اس آیت مبارکہ کا مصداق جاننے لگے:

فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُم

''سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا)۔'' (سورہ البقرہ:54)

عوام کی خوشی و مسرت غم و سوگواری میں بدل گئی، شام اور کوفہ میں ہر طرف ''وَاحُسَيْنَا'' کے نعرے بلند ہونے لگے، لوگ اپنے بدترین عمل کو جو مہمان کشی کا عمل تھا، جواب ان کے دامنوں پر سیاہ ترین اور تاریک و شرمناک دھبوں کی شکل میں نمایاں ہو رہا تھا۔

وہ سب لوگ تو دنیا سے بے نیل و حرام رخصت ہوئے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی فدا کار اور شہدأ ہمیشہ کے لیے باقی و زندہ رہے، ان کے فضائل و توصیف کرہ ارض پر ہر طرف نشر ہونے لگے، اور آج تک ہو رہے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور آپ رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کو اسیر کرنے میں دشمن نے ایسی تندی و تیزی ظاہر کی، ارادہ کی پختگی کا ایسا مظاہرہ کیا گویا ایسا کرنا ایک غبار و بخار کی طرح ان کے اذہان پر سوار تھا، لیکن یہ بخار جس تیزی سے چڑھا تھا اتنی ہی تیزی سے اس نے تمام بدکرداروں کو عرق آلود کر کے رکھ دیا۔

10 محرم الحرام 61ھ کو سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

''اے لوگو! میرے ساتھ جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو، ایسے عمل کو اختیار نہ کرو، جو بعد میں تمہارے لیے غم و درد اور پشیمانی کا باعث ہو۔''

اس کے باوجود انہوں نے بڑی عجلت و تیزی سے کام لیا، اور پھر بہت جلد پشیمانی کا شکار ہوئے۔

اگر یہ لوگ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے پسماندگان کے ساتھ نرمی و مدارت کے ساتھ پیش آتے، ان کی عزت و تکریم کرتے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے تو شاید رسوائی اس قدر حدود کو نہ پہنچتی، انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا مزاحم جان کر شہید تو کر دیا، لیکن اس کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ لاشہ ہائے شہدا کی تدفین و تکفین کرتے، خانوادۂ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ منورہ واپس بھجوا دیتے، اور اس تمام واقعہ کی تفاصیل پر مکمل سکوت و خاموشی اختیار کیے رہتے، لیکن اس کے برعکس انہوں نے ان سب اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسیرِ ظلم کیا، جو خود اپنے اپنے مقام پر بہترین خطیب تھے۔

اہل کوفہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہا کے صرف دو دن بعد یعنی 12 محرم الحرام 61ھ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی خطابت سماعت کرنے کے لیے کوفہ میں جمع ہو گئے، اور اس سلسلہ میں انہیں جو کچھ سمجھنا ضروری لازم تھا، وہ سب کچھ سمجھ گئے، انہیں اصل واقعہ کا فہم و ادراک ہو گیا، یوں اس بات نے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی خطابت کو دوام بخشا، وہ ظالمین اور ستم شعاروں کے انتہائے ظلم سے بخوبی آگاہ تھیں، جو اہل سماعت کے تاسف و شرم ساری میں مزید اضافہ کا باعث بنی۔

اہلِ سماعت کی آواز رندھ گئی، وہ کفِ تاسف سے ہاتھ ملتے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت میں کوتاہی، اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت، نصرت حق میں سستی و کاہلی، جہاد میں بے توصیفی اور رکاب امام حسین رضی اللہ عنہ میں فیض شہادت سے

محروم ہونے پر افسوس کرتے خود کو ملامت کرتے۔

ایک روایت میں ہے:

''شہادت کے بعد والی رات اور اگلے روز غم و افسردگی کے بادل ان کے دلوں پر چھائے رہے، اب وہ اس سوچ میں غلطاں تھے کہ آخر شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ اور امتِ اسلامیہ کو اس سے جو نقصانِ عظیم پہنچا ہے، اس کی وجہ اس کی فرائض میں کوتاہی اور قضیہ بیعت تھا، اب وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور برا بھلا کہتے تھے کہ انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے خطوط کیوں لکھے، انہیں اپنی طرف آنے کی دعوت کیوں دی، پھر جبکہ انہیں بلا لیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی دعوت قبول بھی فرما لی تھی، پھر کیوں ان کی نصرت میں سرگرمی نہ دکھائی، انہیں دشمنوں کے نرغہ میں کیوں تنہا و بے مددگار چھوڑا۔''

یہ سب سوالات سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی خطابت ہی نے ان کے اذہان و قلوب میں پیدا کیے تھے، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطبات نے ان کی حالت و ضمیر کی کیفیات کو اس طرح آشکارہ و واضح کر دیا کہ عوام الناس کے سینوں میں شعلے بھڑک اٹھے، جس کا نتیجہ حکومت کے خلاف ان کی اعلانیہ نفرت کی صورت میں ظاہر ہونے لگا۔

کوفہ میں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے خطاب کے دوران ہی صدائے اشک و گریہ حکومت کے خلاف بلند ہونے لگیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے ہر کلمہ سے سینکڑوں لوگ اور ہزار ہا زبانیں غصہ، انتقام اور نفرت کے شعلے اگلنے لگیں۔

حقائق آشکارہ ہونے کے بعد یزید کے خلاف نعروں اور انتقام کا لاوا پھوٹ پڑا، حالت یہ ہوگئی کہ سرداران حکومت لوگوں کے غم و غصے کی کیفیات بھانپ کر

چھپتے پھرتے تھے۔

عمرو بن سعد جب بھی کوفہ کے کوچہ و بازار میں نکلتا کوفہ کے بچے ایک دوسرے سے کہتے:

''یہی ہے قاتل حسین (رضی اللہ عنہ)۔''

عمرو بن سعد کے دیگر ہمراہیوں کی حالت بھی دگرگوں تھی۔

دربار یزید میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کلام نے یزید کو اس قدر شرمندہ کیا کہ وہ مجبور ہو کر ابن زیاد کو برا بھلا کہنے لگا، یہاں تک کہ گویا ہوا:

''ابن مرجانہ پر لعنت ہو، جو اس تمام کام کا باعث بنا۔''

وہ اعلانیہ طور پر کہنے لگا:

''میں نے ابن زیاد سے نہیں کہا تھا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرے، اس نے خود اپنی صوابدید پر یہ کام کیا۔''

یزید نے یہ بھی کہا:

''اگر میں کربلا میں ہوتا تو ہر طرح مرگ و شہادت حسین (رضی اللہ عنہ) کو روک دیتا، اگر چہ اس کام کے لیے مجھے اپنے فرزند ہی کی جان سے ہاتھ دھونا پڑتے۔'' (تاریخ طبری، ج:6،ص:265)

جب یہ بات عبیداللہ بن زیاد تک پہنچی تو وہ کہنے لگا:

''یزید دروغ گوئی سے کام لے رہا ہے، اللہ رب العزت اس پر لعنت کرے، اس نے خود مجھے قتل حسین (رضی اللہ عنہ) کا حکم دیا تھا، اور میں اس کی بجا آوری پر اس کے حکم سے مامور ہوا تھا۔''

عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد سے کہا:

''تم مجھے وہ فرمان واپس کرو جو میں نے تمہیں قتل حسین (رضی اللہ عنہ) کے

لیے جاری کیا تھا۔"

وہ فرمان عمرو بن سعد سے کہیں کھو گیا تھا، اس لیے اس نے کہا:

"وہ فرمان مجھ سے کہیں کھو گیا ہے، اب وہ میرے پاس نہیں ہے۔"

عمرو بن سعد جس قدر بھی کہتا عبیداللہ بن زیاد اس پر یقین نہ کرتا اور کہتا:

"تو اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا، تو جب تک وہ فرمان مجھے نہ دے گا، عہدہ حکومت تجھ کو حاصل نہ ہوگا۔"

عمرو بن سعد قسمیں کھا کر کہتا:

"وہ فرمان مجھ سے کہیں کھو گیا ہے۔"

عبیداللہ بن زیاد اس پر یقین نہ کرتا۔

عوام اپنے غم و غصہ کا اعلانیہ اظہار کرنے لگے تھے، یزید اور اس کے طرف داروں کے خلاف عمومی نفرت پھیل چکی تھی، اور انقلاب کی ایک خوفناک لہر ان کے خلاف اٹھنے لگی تھی، ظالمین کے نمائندوں نے عوام کے سامنے آنا کم کر دیا تا کہ ان کے خلاف طوفانِ نفرت میں تیزی نہ آنے پائے۔

یزید جس نے بذاتِ خود بڑے ہی نازیبا اشعار کہے تھے، اب وہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مہربانی و شفقت کا سلوک کرنے لگا تھا، ظالموں سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے اب وہ خود لوگوں کی مجالس تشکیل دیتا اور ان میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلو میں بٹھاتا وہ اس بات میں کوشاں رہتا کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے قریب رہے، تا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے احترام کا مظاہرہ کر کے عوام کے غم و غصہ کو کم کر سکے۔

یزید عبیداللہ بن زیاد سے نفرت کا کھلم کھلا اظہار کرتا، عمرو بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور دیگر احباب سے جو اس کی طرف سے اپنی کارکردگی کے صلے میں انعام

کے خواہاں تھے، اب انعامات کے بجائے اس سے دور ہوتے چلے گئے۔

یزید خود اس قدر مجبور ہو چکا تھا کہ آتشِ انتقام کو بجھانے اور عمومی ردعمل کم کرنے کے لیے شام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سوگ کی مجالس کا اہتمام کرانے لگا تھا، اس نے اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسیری سے رہا کیا اور انہیں شام یا مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کی کامل آزادی دے دی۔

دوران اسیری سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا اہم ترین فرض یہ تھا کہ 10 محرام الحرام کے تاریخی واقعات اور مقصد سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اوراق تاریخ بلکہ قلوب و اذہان عوام الناس میں دوام بخشا اور ان واقعات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ و تابندہ کر دیا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیان حوادث، گفتگو میں واقعات کربلا، اپنی مرثیہ گوئی، کربلا کے واقعات و حادثات پر بحث و شنید کو تاریخ کی زینت بنا کر ہمیشہ کے لیے جاوداں کر دیا۔

بے شمار جنگی مورخین اور تاریخ دان اس کوشش میں مصروف عمل نظر آتے ہیں، جو واقعات کربلا کی ایسے الفاظ میں تشریح و اشاعت کرتے رہے جو خاندان امیہ کی خوشی کا باعث تھے، ان کے مقابلہ میں اگر حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا اہم وجود نہ ہوتا تو شاید وہ واقعات کو بہرحال اس طرح مسخ کر کے پیش کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے وجود پاک اور خطابت سے واقعات تاریخ میں حقائق نمایاں ہوئے، آپ رضی اللہ عنہا کی ہستی سے لوگوں نے جانا کہ تاریخ بالکل غلط و فاسد رقم کی گئی ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی تبلیغ کے لیے خود اپنے مقرر کردہ عنادین ہی کو مدنظر رکھا، آپ رضی اللہ عنہا کو اس کا فہم و ادراک تھا کہ کہاں کیا بات کرنا بہتر اور مناسب

ہے، خطابت کس جگہ اور مرثیہ سرائی کہاں اختیار کرنا ہے، فطرت و عقل و دانش مندی کی باتیں آپ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے دریا کے پانی کی طرح رواں ہوتی تھیں، جن میں تمام ضروری اور مستقل طور پر باقی رہنے والی باتیں بیان ہوتیں۔

آخر کار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی باتیں ثمر بار ثابت ہوئیں، آپ رضی اللہ عنہا کے پیغامات کامل طور پر اشاعت پذیر ہوئے، کہی جانے والی تمام ضروری باتیں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے برملا کہہ ڈالیں، اور کسی موقع پر کسی کہنے کے قابل بات کو آپ رضی اللہ عنہا نے دشمن کے خوف یا جھجک کے باعث تشنہ لب نہ رہنے دیا۔

ان مواقع میں عبیداللہ بن زیاد اور یزید جیسے جابروں کے دربار، مسلح افسران، فوج اور جلادوں کے روبرو سب ہی شامل ہیں، یہاں تک کہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مقتل گاہ بھی جو دشمنوں کے نیزہ برداروں کے حصار میں تھی۔

# موت کے زہراب میں اس نے پائی ہے زندگی!

## (خطبات زینب رضی اللہ عنہا کے اثرات وثمرات)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے شام اور دربار یزید میں اپنے حسن عمل کی شدت سے دشمن پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا، ان کی مساعی جمیلہ سے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوئے، اور اس واقعہ کے فہم وادراک میں اترے، ان پر اصل حقائق واضح ہوئے، کربلا کی اس شیر دل خاتون نے اپنے خطاب کی تندوتیزی اور چبھن سے اہل سماعت میں بیداری و بے چینی پیدا کر دی، لوگوں کے اذہان وقلوب کو جھنجھوڑ ڈالا، اور اہل شام کے لیے شرمندگی وندامت کے دروا کر دیے۔

آپ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر فرمایا:

"اے یزید! کیا فرزند رسول کے ساتھ یہ سلوک ان کی عاطفت کے عوض مبنی بر عدل وانصاف ہے؟"

یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا حاکم پر، اگر وہ مسلمان ہے تو یہ واجب و لازم ہے کہ پہلے خود اپنے بارے میں اور دشمن کے بارے میں بھی عدل و انصاف سے آنکھیں نہ چرائے، جبکہ تو نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تو نے اصول عدل کو پامال کیا ہے۔

اس کے بعد کربلا کی اس شیر دل خاتون رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"تم نے اپنی بیوی اور خاندان کی عورتوں کو تو پردہ میں جگہ دے رکھی ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو بے پردہ منظر عام پر رکھا ہے؟"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے دشمن پریشانی میں مبتلا ہو گیا، اسے اس کا کوئی جواب نہ بن پا رہا تھا، اہل سماعت بھی یہ سن کر ہل کر رہ گئے تھے۔

ایک موقع پر یزید نے غصہ میں آ کر اقتدار کے نشے و تکبر میں جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لبوں کو چھڑی سے چھوا، یہ دیکھ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تڑپ اٹھیں اور بولیں:

"اے یزید! ان لبوں پر لکڑی سے چوٹ مت لگا، کم از کم سید الشہداء کی خواتین اور ان کے بیٹوں کے سامنے تو ایسا نہ کر۔"

اب گفتار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے انقلاب کی لہریں ہولے ہولے موجزن ہونے لگی تھیں، لوگوں کے دلوں میں تلاطم پیدا ہو رہا تھا، لاوا اندر ہی اندر پک کر پھوٹ پڑنے کے لیے تیار تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی موقع شناسی اور رقت انگیزی نے ایک عظیم ہیجان برپا کر دیا تھا، جس کے اثرات و ثمرات نے یزید کے کاخِ اقتدار کو لرزہ کر رکھ دیا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یزید کی موت کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا بیٹا معاویہ ثانی اپنے باپ کی جانشینی کے لیے بھی آمادہ نہ ہوا، اور کچھ ہی عرصہ بعد اس نے خود کو کاروبار حکومت سے الگ کر لیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جو متاعِ حیات کوفہ اور دمشق میں لوگوں کے سامنے رکھی، اس کی طرف لاتعداد قلوب کھنچے چلے آئے، اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرف داران از پیش بڑھنے لگے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جو خطاب فرمائے، وہ اس قدر مستحکم اور عظیم تھے کہ کوفہ کے طول و عرض میں خطبات کی صدائے بازگشت سنائی دینے

لگی، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو دس روز سے زائد کوفہ میں نہ رہنے دیا گیا، کیونکہ کوفہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا وجود عالیہ حکومت کے لیے شدید تر خطرے کی علامت تھی، تاہم اس مختصر قیام نے بھی پورے عراق و عرب بلکہ عجم کے بعض علاقے بھی اپنی گرفت میں لے لیے۔

ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ یہ امواج طوفان خیز حجاز مدینہ تک وسعت پذیر ہو گئیں، اور وہاں سے سفر کرتی ہوئی حکومت روم تک جا پہنچیں، کیونکہ ان تمام حکومتوں کے نمائندگان کوفہ اور دمشق میں موجود تھے، جہاں وہ تمام حالات و واقعات سے آگاہ ہو چکے تھے، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حکومت لرزہ براندام ہو گئی، اس کی طاقت وقوت متزلزل ہونے لگی، یوں اسیران اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے یہ زمین تنگ ہونے لگی۔

اب سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں یہ جرأت مفقود ہو چکی تھی کہ مجمع و عالم کے سامنے آتے، ان میں شمر بن ذی الجوشن، عمرو بن سعد، عبید اللہ بن زیاد جیسے سفاک سخت ترین حصار میں آ گئے۔

ابتداء میں دشمن نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جذبہ جہاد اور احتجاج کو کمزور جانا، اس لیے پہلے تو ان کے احتجاج کو روکا نہ گیا اور ان کی مزاحمت نہ کی گئی، یہ بھی اللہ رب العزت کی عنایت خاص تھی کہ دشمن نے خود ہی مواقع فراہم کیے، جس کے باعث سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے تاسف انگیز خطبات اور آپ رضی اللہ عنہا کے پُراثر کلام کو اثرات وثمرات کا ایک وسیع میدان میسر آیا، آپ رضی اللہ عنہا کی تمام گفتگو رضائے الٰہی کے لیے تھی، اسی کا اثر ونفوذ بھی اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہو رہا تھا۔

حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا طریق کار بتدریج دشمنوں پر خوف و دہشت طاری کر رہا تھا، یہاں تک کہ لشکر یزید کے سردار و سالار اپنے اپنے مقام پر کوشش کرنے

لگے کہ خود کو اس دائرہ کار سے دور رکھیں تا کہ ان کی متکبرانہ اور غرور سے پر شخصیات ان خطبات کی زد سے محفوظ رہ سکیں۔

کچھ ہی عرصہ بعد یزید نے ہوا کا رخ پھیرنے کے لیے عبیداللہ بن زیاد پر لعنت بھیجی، اور بضد ہوا کہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین واپس مدینہ چلے جائیں، یزید نے یہ حکم بھی دیا:

''میرے دربار میں تین روز تک سوگ منایا جائے۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ کا احتجاج بہت سے سالاران لشکر کے لیے انتہائی سبق آموز تھا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کوفہ اور دمشق میں موجودگی ان کے لیے اس قدر تلخ تجربات کا باعث بنی اور ان کے لیے اتنی بڑی دشواری ثابت ہوئی کہ اب انہیں اس کا فہم و ادراک ہو چکا تھا کہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کیا سلوک کریں، پریشانی کی اصل بات یہ تھی کہ آمد کوفہ سے پہلے تمام اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اگر تہ تیغ ہی کر ڈالتے تو انہیں اس بات کا ادراک نہ ہو پاتا کہ عوام کو کیا جواب دیں گے، جبکہ انہیں زندہ رہنے دینا ان کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹک رہا تھا۔

اسیرانِ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آمد و روانگی سے قبل ہی بہت سے شہروں میں حکومت کے اس مضمون کے احکام پہنچ چکے تھے:

''حکومت چاہتی ہے کہ خاندان رسالت کو زیادہ سے زیادہ رسوا کیا جائے۔''

اب وہ اس قدر پریشان و سراسیمہ تھے کہ بعض مواقع سے تو اسیران کو رات کے وقت سفر کرانے پر مجبور ہو گئے تا کہ لوگ انہیں دیکھ نہ پائیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک منظّم طریق کار کے حامل تھے، اس کے ساتھ ہی سیدہ

زینب رضی اللہ عنہا مقامِ حسین کو دوام بخشنے کا عزم صمیم کیے ہوئے تھیں، اس کے پس پردہ ایک انقلاب فکر اور پس منظر میں ایسا ہی سیاسی متحرک کارفرما تھا، جو اس بات کا عکاس تھا اور ثابت کر رہا تھا کہ اس زمانہ کے حکمران، لیاقت حکمرانی سے عاری تھے۔

اس حقیقت کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے سیلِ اشک رواں کر دیے، لوگوں کے سینوں سے آہ وفغاں کے طوفان اٹھنے لگے، خواتین آنسو بہاتے ہوئے گر پڑتی تھیں، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کی حالت کو مزید پریشان کر دیا تھا، ان کے گریہ ندامت کو اور زیادہ بھڑکا دیا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ کے بازار میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اہل کوفہ! تمہارے مرد ہمیں قتل کر رہے ہیں، اور تمہاری عورتیں ہم پر نوحہ کناں ہیں!

ہمارے اور تمہارے درمیان حکم کرنے والی اللہ رب العزت کی ذات ہے، اور وہ قضا و داوری کے دن بھی یعنی قیامت کے روز ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔"

لوگوں کے قلوب میں موج انقلاب اٹھنے لگیں، وہ پوچھتے تھے:

"اصل ماجرا کیا ہے؟ اور یہ قتل و غارت کیوں ہوا ہے؟"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عبیداللہ بن زیاد کی فوج نے جو مظالم توڑے، اور جس طرح انہیں اسیر کر کے کوفہ لے جایا گیا، سب مؤرخین نے اسے اپنے انداز اور اسلوب میں ضبط تحریر کیا ہے، صرف الفاظ مختلف ہے، مفہوم و مطالب ایک ہی ہیں۔

جب عبیداللہ بن زیاد کو اسیران اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے شہر بھر میں منادی کروادی:

''کوئی شخص مسلح ہو کر گھر سے باہر نہ نکلے، کسی قسم کا ہتھیار اپنے پاس نہ رکھے۔''

عبیداللہ بن زیاد نے دس ہزار فوج شہر بھر کی گلیوں اور کوچوں میں متعین کر دی، اس کے بعد اس نے دارالامارۃ کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔

دوسرے دن صبح کے وقت عمرو بن سعد فوج کے ہمراہ بڑے جلال و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، کوفہ کے گلی و کوچہ میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے سہارا بیبیوں اور یتیم بچوں کا قافلہ اپنے مشکل ترین سفر کو طے کر کے کوفہ پہنچ گیا، یزید اور عبیداللہ بن زیاد کے جلاد انہیں اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے، بغیر پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے انہیں شہر میں لایا گیا۔

قیدیوں کے آگے شہدائے کربلا کے کٹے ہوئے سر نیزوں پر سوار تھے، جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی نگاہ اپنے بھائی کے سر پر پڑی تو روتے ہوئے فرمایا:

''تم اس وقت کیا جواب دو گے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہوتے ہوئے میری عترت و اہل بیت کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا، کسی کو قیدی بنایا اور کسی کو خون میں نہلا دیا، کیا میری نصیحتوں کا یہی اثر ہے، میں اس روز سے خائف ہوں، جب دوسری امتوں کی مانند تم بھی سخت عذابِ الٰہی سے دوچار ہو جاؤ!''

ابن زیاد نے حکم دیا:

''جب قیدی شہر کے اندر داخل ہوں تو کوئی شخص اسلحہ لے کر باہر نہ نکلے۔''

جب اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قافلہ شہر میں داخل ہوا تو کوفہ کے گلی کوچے اور تمام شاہراہیں لوگوں کے ہجوم سے بھر گئیں، کوفہ کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ

کر قیدیوں کو دیکھ رہی تھیں، حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا:

"باغی کا کنبہ قید ہو کر آ رہا ہے، لہٰذا سب لوگ تماشا دیکھنے آئیں۔"

کسی کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ نواسہ رسول حسین بن علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں اور یہ سب خواتین اور بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہیں۔

عربوں کی رسم کے مطابق اہل کوفہ اسیران کربلا کے لیے روٹیاں اور کھجوریں بطور صدقہ لے کر آئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے ہاتھوں میں کھجوریں اور روٹیاں دیکھیں تو سمجھ گئیں یہ لوگ اپنی رسم پوری کرنے کے لیے قیدیوں کے لیے سب چیزیں بطور صدقہ لائے ہیں، حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"اے اہل کوفہ! ہم اہل بیت نبوت ہیں، ہم اولاد رسول ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے۔"

لوگوں نے یہ سنا تو حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے:

"تم قیدی کون ہو! تمہارا تعلق کس خاندان سے ہے؟"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم اہل بیت رسول ہیں، اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عترت و اولاد ہیں۔"

یہ سن کر ایک بڑھیا زار و قطار رونے لگی، اس کے رونے کی آواز اتنی بلند تھی کہ اس کے ارد گرد کی تمام خواتین اشکبار ہو گئیں، عورتوں کے رونے اور گریہ کرنے کی آوازوں سے پورا شہر لرز اٹھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خواتین کو دیکھ کر ہر خاتون اشکبار تھی۔

عورتوں کو دیکھ کر کوفہ کے مرد بھی زار و قطار رونے لگے، لیکن حکومت کی طرف سے اس قدر دباؤ تھا کہ کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا،

اسی دوران ایک خاتون گھر جا کر کچھ کھانا اور کھجوریں لے آئی اور ایک قیدی بچی کی طرف پھینکنے لگی۔

یہ دیکھ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بلند آواز میں کہا:

''اہم اہل بیت رسول ہیں، ہم پر صدقے حرام ہیں۔''

عورت یہ سن کر اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی:

''کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں؟''

ابھی یہ گفت وشنید جاری تھی کہ شہدائے کربلا کے سر لائے گئے، سب سے آگے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر اقدس تھا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کا سر نیزہ کی نوک پر دیکھا تو فرط غم سے محمل پر گر پڑیں اور کہنے لگیں:

''اے چاند! تُو ابھی پورا بھی نہ نکلا تھا کہ تجھے گہن لگ گیا، اور تُو آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اے میرے پیارے اور دل کے سہارے بھائی! میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تقدیر ہمیں کہاں سے کہاں لے آئے گی۔

اے بھائی ذرا فاطمہ صغریٰ (رضی اللہ عنہا) سے بھی گفتگو کر لو کہ اس کا دل ڈوب چکا ہے، شاید اسے تسکین قلب مل جائے۔

اے بھائی! تیرا دل ہمارے لیے کس قدر مہربان تھا، مگر اب کیوں ہم سے تمہارا جی بھر گیا ہے اور تو پتھر دل بن گیا ہے۔''

کربلا کی اس بہادر خاتون نے جب کوفہ کی سڑکوں اور شاہراہوں پر لوگوں کا جم غفیر دیکھا تو اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ مئوقف کے اظہار اور اہل بیت پر ڈھائے گئے ظلم وستم کی دردناک داستان بیان کرنے کا مناسب اور برمحل موقع مل گیا، انہوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اہل کوفہ کے ضمیروں کو جھنجھوڑا۔

بنت علی رضی اللہ عنہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے خطاب فرمایا، جس میں اپنی خاندانی عظمتوں کا اظہار اپنے مقدس مشن کے مؤقف کی وضاحت اور یزید کے ظلم و بربریت کو آشکار کیا۔

یہ خطبہ ایک اور پیرائے اور مختلف اسلوب میں بھی بیان کیا جا چکا ہے اس کا اسلوب بیان قدرے مختلف ہے، اسے مکرر نہ سمجھا جائے، حالات و واقعات کے پیش نظر نئے انداز سے ضبط تحریر لایا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد ہے اس ذاتِ حق کے لیے جو کائنات کا حقیقی حکمران اور خالق ہے، اور درود ہو اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کے وجود کی برکت سے کائنات خلق ہوئی اور سلام ہو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت و اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر جنہیں اللہ رب العزت نے ہر قسم کے نقص وعیب سے پاکیزہ و منزہ قرار دیا۔

اما بعد! اہل کوفہ! اے دھوکہ وفریب کے عادی لوگو! ہماری مظلومیت کو دیکھ کر اب تم گریہ کر رہے ہو، خدا کرے تم ہمیشہ روتے رہو اور تمہاری فریادیں بلند رہیں، تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے، جس نے نہایت محنت اور کوشش سے سوت کات کر مضبوط ڈوری بانٹی، پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یعنی تم نے اپنے کیے ہوئے وعدوں اور پیمان کو خود ہی توڑ ڈالا ہے) تم نے جھوٹی قسمیں کھانے کو دھوکہ وفریب دینے کا ذریعہ بنالیا ہے۔

یاد رکھو! تم سب کے سب بیہودہ بکنے والے ہو، فسق و فجور تمہاری فطرت میں داخل ہو چکا ہے، کنبہ پروری تمہاری طبیعت کا جزو لاینفک بن چکی ہے، بے اختیار لونڈیوں کی طرح چاپلوسی کے عادی

ہو گئے ہو، دشمن کی طرح غمازی تمہارا شیوہ بن چکی ہے۔ تم سبزہ کی مانند ہو گئے، جو کثافتوں سے بھری ہوئی زمین پر اگتا ہے، اور غلیظ و بدبو دار بنیادوں پر لہلہاتا ہے، یا تم اس چاندنی کی طرح ہو گئے ہو جو کسی مزار کی سجاوٹ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یاد رکھو! تم نے اپنی بدکرداری کی وجہ سے اپنی آخرت خراب کر لی ہے، خدا کا عذاب تمہارے سر پر چھا چکا ہے، اور تم ہمیشہ اسی میں مبتلا رہو گے، کیا تم آج ہم پر گریہ زاری کرتے ہو خدا کی قسم! رونے کے سوا اب تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہیں، اب ہمیشہ روتے رہو، تمہارے ہنسنے اور مسکرانے کے دن گزر چکے ہیں، تم نے اپنے دامن پر رسوائیوں کے ایسے داغ لگا لیے ہیں جو کبھی دھل نہیں سکتے، تم نے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے، جو کسی صورت میں بھلایا نہیں جا سکتا، تم کس طرح اپنے اس مذموم عمل کی تاویل کر سکتے ہو، تم نے خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لختِ جگر کو قتل کیا ہے، تم نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نظر کو تہ تیغ کر ڈالا ہے، تم نے نوجوان جنت کے سردار کو ذبح کر دیا ہے، تم نے ایسی شخصیت کو قتل کیا ہے جو پریشانیوں میں تمہارا سہارا تھا، تم نے ایسے عظیم انسان کو شہید کر ڈالا ہے جو مصیبتوں میں تمہارا فریاد رس تھا، تم نے اسے بربریت کا نشانہ بنایا ہے جو تمہارے لیے ہدایت کا منارہ نور تھا، تم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تمہارے فطری حقوق کا محافظ و ترجمان تھا۔

یاد رکھو! تم نہایت مذموم اور پست عمل کے مرتکب ہوئے ہو، تم نے بہت ہی برا کام انجام دیا ہے، خدا تمہارا برا کرے اور تم تباہ و برباد

ہو جاؤ، تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں، تمہاری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو گئیں، تم نے خدا کا غضب مول لے لیا اور تم ذلت و رسوائی کے حق دار بن گئے۔

وائے ہو تم پر اے اہل کوفہ! کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے کس جگر گوشہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور کیا تم نے سوچا ہے کہ تم نے کتنی باعظمت رسول زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں نامحرموں کے سامنے بے پردہ کر دیا ہے؟

کیا تم جانتے ہو کہ تم نے کیسی پاکیزہ ہستیوں کا خون بہایا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے کس طرح رسول اللہ ﷺ کی حرمت کو پامال کر دیا ہے؟

تم نے ایک مذموم برا اور گھٹیا کام کیا ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی، تمہاری اس قبیح حرکت سے زمین و آسمان لرز اٹھے ہیں، تمہارے اس سنگین جرم کا بوجھ کوئی نہیں اٹھا سکتا، اب اگر آسمان سے خون کی بارش ہو تو اس پر تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

یاد رکھو! اس دنیا کی رسوائی کے بعد تمہارے لیے آخرت کا عذاب مہیا ہے، تمہیں جو تھوڑی سی مہلت دی گئی ہے اس سے تمہارے عذاب میں کمی واقع نہ ہو گی۔

اگر آج خدا تم پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کر رہا تو اسے اس کی عاجزی تصور نہ کرو، اس لیے کہ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، وہ ظلم کا بدلہ ضرور لیتا ہے، تمہارے اعمال پر گہری نظر رکھتا ہے، وہ تمہاری گھات میں ہے۔"

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب سن کر ہر شخص حیرت زدہ، اپنے کیے پر نادم اور انگشت بدنداں نظر آ رہا تھا، سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

ایک بزرگ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

''اے اہل بیت رسول! تمہارے بزرگ عظمت و کردار میں دنیا بھر کے بزرگوں سے افضل ہیں، اور تمہارے جوانوں کی پاکبازی و شرافت کی مثال کائنات کے جوانوں میں کہیں نہیں ملتی، تمہاری خواتین عفت و پاکدامنی میں دنیائے بشریت کی تمام مستورات میں ممتاز مقام رکھتی ہیں، اور تمہاری پاکیزہ نسل کا قیاس دنیا کی کسی نسل و خاندان سے نہیں ہو سکتا، دنیا کی کوئی طاقت ان عظمتوں پر پردہ ڈال کر ان کی نورانی اثر آفرینی ختم نہیں کر سکتی۔''

یہ سب اثرات و ثمرات سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے انقلاب آفریں خطبات کی وجہ سے اثر پذیر ہوئے، اور ان سے انقلاب کی راہ ہموار ہوئی، یہ ان خطبات ہی کا اثر تھا کہ لوگ اس ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد بلند کر کے میدان میں نکل آئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اسی طرح سرگرم سخن تھیں، لوگوں کے قلوب کو منقلب کر کے ایک تحریک فکر ان میں ڈال رہی تھیں، لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں، وہ غصے سے لرز رہے تھے لوگوں کی سماعت بنت علی (رضی اللہ عنہا) کی آواز سننے پر آمادہ ہو رہے تھے کہ عمرہ بن سعد نے دیکھا مجمع اپنا رنگ بدل رہا ہے، الٹ پلٹ ہوا چاہتا ہے اسے انقلاب کا خوف لاحق ہوا، چنانچہ اس نے شمر بن ذی الجوشن سے کہا:

''بنت علی (رضی اللہ عنہا) کے کجاوہ کے نزدیک سر حسین (رضی اللہ عنہ) لے کر آؤ تا کہ وہ خاموش ہو سکے۔''

جونہی سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی نگاہ اپنے بھائی کے سر پر پڑی بول اٹھیں:

''اے زینب کے پہلی رات کے چاند! تو کتنی جلدی غروب ہو گیا، میں کیا کروں کہ میں کجاوہ میں بیٹھی ہوں اور تو نوک نیزہ پر سوار میرے سامنے آیا ہے۔''

یہ کہہ کر بے اختیار محمل کی لکڑی اپنے سر پر ماری اور اس سے خون جاری ہو گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے فرائض واجب قرار دے رکھا کہ ہر موقع و مقام پر حقائق کو کماحقہ بیان کریں، اور پوری شدو مد اور آب و تاب کے ساتھ حق کا تعارف کروائیں، دشمن نے ہر جگہ یہ غل مچا رکھا تھا اور اس بات کو شہرت دے رکھی تھی کہ باغیوں کی ایک جماعت نے حاکم وقت کے خلاف بغاوت کر کے شورش برپا کی ہے، یہ انہی سرکش باغیوں کی عورتیں اور بچے ہیں، جنہیں قید کر کے لایا گیا ہے، اور انہیں ان کے ورثاء کے عوض گرفتار کیا گیا ہے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے ہر مقام پر حقیقت کی وضاحت فرمائی، دشمن کے جھوٹے دعووں کو بے نقاب کیا، اور توفیقِ حق کے مطابق کلام کیا، جب آپ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ یزید گمراہی پیدا کرنا چاہتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کو سمجھایا:

''جنہیں تم اسیر دیکھ رہے ہو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خواتین اور خود ان کی بیٹیاں ہیں۔''

اس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے یزید کے دامن پر اس کے جرم کی رسوائی و ننگ کے دھبوں کو واضح کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ و شام کے لوگوں کو ذہن نشین کرایا:

''اس دور میں حکومت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو دین سے منحرف ہیں، اسلام پر وہ لوگ حکمران ہیں جو دین مقدس کی تقدیس کو پامال کر رہے ہیں۔''

یزید کے دربار میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے واضح کیا:

''یزید کے اعمال عدل و انصاف سے متصادم ہیں، اس نے اپنے گھر کی عورتوں کو پردے میں بٹھا رکھا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خواتین کو غیر محرموں میں تماشا بنایا ہے، یزید کا صرف یہ ایک ہی عمل انسانیت کے خلاف اور مسلمان اسیروں کے خلاف بھی بہت بڑا جرم ہے۔''

یوں سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی اسیری پر پڑے ہوئے مکروفریب کے دبیز پردوں کو چاک چاک کر دیا، جو حکومت وقت نے عوام کی عقول پر ڈال رکھے تھے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حکومت کے شرم ناک افعال بلکہ یزید کے جرائم کو بے نقاب کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا اہم ترین ہدف معاشرہ کے حالات و ماحول روزگار کا تعارف کروانا تھا، جس میں عوام الناس زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن وہ اس کی فضا سے یکسر غافل تھے۔

کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، اس کے بعد مدینہ و مصر غرضیکہ جہاں بھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جانا پڑا، آپ رضی اللہ عنہا کے مخاطب مختلف طبقہ ہائے فکر کے لوگ ہوتے تھے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے پیغام کی اشاعت وفروغ کے لیے موثر الفاظ کا قالب اختیار کیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے خطابات، تقاریر اور اشعار کے ذریعے دشمن کو ایسا بے نقاب کیا کہ ان کے لیے کوئی راہِ فرار باقی نہ رہی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی زور خطابت کا یہ عالم ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے نکلا ہر جملہ دشمن کے سر پر کوڑے کی طرح برسا، جس سے دشمنانِ اہل بیت کے دماغ ان مصیبت زدوں کے غم واندوہ کے مقابل بلبلا اٹھے، کتنے شکوے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے نکلے، وہ جملے جو آپ رضی اللہ عنہا نے یزید کو مخاطب کر کے

فرمائے، آپ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

''یزید! میں تیری حیثیت کو اس حقیقت سے بہت گھٹیا جانتی ہوں کہ تجھ سے ہم کلامی کروں، میں تجھ سے صرف اس لیے مخاطب ہوں کہ تیری رسوائی و ملامت کو اپنے فرائض میں سے جانتی ہوں، اگر چہ میں اس بات کا فہم و ادراک رکھتی ہوں کہ تجھے ذلیل کرنے سے ہمارے شہید زندہ نہ ہوں گے۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے عبید اللہ بن زیاد سے کہا:

''تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے۔''

عبید اللہ بن زیاد یہ سن کر غصے سے بھڑک اٹھا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہا کے قتل کا حکم دے دیا، اس پر کچھ لوگ درمیان میں آ گئے، لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے کلام کو مختصر نہ کیا، اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی عذر خواہی پیش کی۔

اسی طرح عبید اللہ بن زیاد کے لیے آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ہماری شان و شوکت کے لیے یہی کافی ہے کہ ہمیں نبوت و تطہیر کی کرامت حاصل ہے، اور وہ ہمارا غیر ہے جو فاسق ہے، جو فاجر ہے، اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، اور وہ ہی ابن زیاد ہے۔''

یہ ایسی گفتگو تھی جس نے ان ظالموں کو اس قدر ذہنی شکست سے دوچار کیا کہ ان کی نام نہاد فتح کا نشہ ہرن ہو گیا، وہ اس قابل ہی نہ رہے کہ ان کا احساسِ غرور فتح مندی قائم رہتا۔

۞

# گریہ فاتحانہ

بعض مرثیہ گو حضرات نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایک نوحہ خواں خاتون قرار دیا ہے، جس حد تک یہ بیان کیا ہے وہ عجیب سی بات ہے، اپنے پیاروں پر نوحہ کرنا ایک فطری امر ہے، جب دل، جگر پر چوٹ پڑتی ہے تو اثر آنکھوں پر ضرور ہوتا ہے، اور آنسوؤں کے دھارے بہہ نکلتے ہیں، یہاں ہمیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گریہ پر انکار نہیں، ایسی کیفیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک بھی نمناک ہوئیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت پر اشکبار ہوئے اس حالت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ آپ رضی اللہ عنہا روئی نہیں، بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کی اشک افشانی کی نوعیت یہ ہے:

> ''یہ وہ گریہ نہیں جو رقت قلب اور شفقت انسانی کے خلاف ہو، جو بے حسی وفریب خوردگی کے نتیجہ میں ہو، یہ وہ گریہ نہیں جس میں رونے والا بے خود ہو کر اپنے حق ہی سے گزر جائے، پھر رونے والے کے لیے توہین آمیز بن جائے، یا پھر اس لیے ہو کہ بے تابی غم سے رہائی اور جذبات وتاثرات غم کی تسکین قلب کی خاطر اختیار کی گئی ہو۔''

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا گریہ شفقت انسانیت سے دوری و فاصلہ کے طور پر

نہیں، بلکہ یہ گریہ اعلائے کلمہ حق اور راہِ خدا میں خلقِ خدا کو بیدار رکھنے کے لیے ہے، یہ رونا تازیانوں کی بارش یا عذابِ روحانی کی خاطر نہیں، بلکہ یہ فاتحانہ، رسوا گر ظلم، اپنے بعد آنے والی تاریخ میں افراد کو بیدار کرنے کا ذمہ دار اور سانحہ کربلا کے بارے میں اغیار تک کی توجہ اس طرف مبذول کرنے کی خاطر ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوری ذمہ داری و واقفیت، بصیرت اور روشن فطری سے اپنے لیے یہ راہ منتخب فرمائی تھی، اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جس روز سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وادی مبارزہ میں قدم رکھا، اسی روز سے آپ رضی اللہ عنہا کو یہ فہم و ادراک ہو چکا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا سابقہ کن لوگوں سے ہوگا، آپ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے دشمن کون ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا واقعہ کربلا سے پہلے ہی باخبر تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس کی تفصیل دے رکھی تھی، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا اشک و گریہ کی راہ اختیار کرتیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ استقامت و استقلال کی مالک تھیں، کسی جگہ بھی مصائب و آلام نے آپ رضی اللہ عنہا کو ہراساں نہ کیا، آپ رضی اللہ عنہا نے کسی مقام پر عجز و بے چارگی کا اظہار نہ کیا، نہ کوئی ایسا لفظ آپ رضی اللہ عنہا کے دہن مبارک سے نکلا۔

عبید اللہ بن زیاد کے دربار میں آپ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل سے آپ رضی اللہ عنہا کے ہدف زندگی کے مقابلہ میں ایک لفظ بھی خوف و سراسیمگی کا نہیں ملتا، بعض مقامات تو ایسے بھی آئے جہاں آپ رضی اللہ عنہا کی گفتگو اس حد تک بڑھی کہ ایک مرتبہ عبید اللہ بن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہا کے قتل کا حکم دے دیا، چنانچہ کسی مقام پر بھی سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا سے گریہ بے بسی ظاہر نہیں ہوا، اگر کہیں ایسا موقع آتا کہ دوران گفتگو گریہ گلوگیر ہونے کا خدشہ ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہا ایسے موقع پر خاموش رہنے کو ترجیح دیتیں، ایسے

مواقع پر صرف بچے ہی دامن قرار کھو بیٹھتے ہیں، جبکہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی شان اس سے بہت بالاتر ہے۔

تاہم کربلا کے خونیں واقعات کے دوران حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیغام کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو اشک فشانی کرنا پڑا، لیکن یہ دستک دُر ہائے بے بہا کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ آپ رضی اللہ عنہا کے وہ آنسو ہیں جو یزید کے جرائم کو بے نقاب کرتے ہیں۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا عظیم ترین جرأت و مضبوط ترین روحانیت کے ساتھ شریکِ حادثہ کربلا ہیں، آپ رضی اللہ عنہا پسماندگان کے کوفہ سے شام اور شام سے واپس مدینہ تک کے سفر کی اس طرح ذمہ داری ہیں کہ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقصدِ شہادت کی سیرابی بھی ساتھ ساتھ جاری رہے، اگر آپ رضی اللہ عنہا عام لوگوں کی طرح نالہ وفریاد کی خوگر ہوتیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ عظیم شہادت اپنے اصل مقصد کو حاصل کرسکتی اور ان اسیران اہل بیت کا کون کفیل و پرسان حال ہوتا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے مواقع کی مطابقت میں نوحہ بھی کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہا سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں مرثیہ واشعار بھی کہتی تھیں لیکن سب اظہار مجمع اور دشمنوں میں ہوتا تھا، جبکہ اپنے عالم تنہائی میں خصوصیت کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل یکسر مختلف و جدا ہوتا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہا کے نوحہ وغم اور اشعار و مرثیہ سے بھی صبر وتحمل کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سب کلمات اکثر مقامات پر حصہ تاریخ، واقعہ کربلا اور متعلقہ حوادث کا بیان بن گئے، ایسے تمام مواقع لوگوں کی توجہ کا مرکز اور احساس اصلیت کا باعث بن جاتے ہیں۔

ہمیں یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو جس چیز نے

زینب بنایا، وہ آپ رضی اللہ عنہا کی اپنی ریاضت اور شان مجاہدہ تھی، یہ سب مقام آپ رضی اللہ عنہا کی فطری رہبری اور آپ رضی اللہ عنہا کے ذمہ دار ہونے کی بنا پر آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام مقامات رہنمائی خود اپنی ذاتی صلاحیت کی مدد سے حاصل کیے۔

فضائل اعلیٰ کے حصول کے لیے پہلی شرط آگہی ہے، لازم ہے کہ چراغ علم کے نور سے اس قدر ذہانت و بصیرت تو کم از کم ضرور حاصل ہو کہ انسان اپنے لیے راہ و چاہ میں امتیاز کر سکے۔ اس صلاحیت کے بغیر خود اپنی اقدار کی وسعت و اہمیت، خود اپنے مقامات حلف و طاقت، زمانہ کے حالات و مواقع کی واقفیت، اپنے فرائض و تکالیف کی شناخت اور ان سب باتوں کے ممکنہ انجام و انتہا کا احساس ممکن نہیں ہوگا۔

پھر انسان کے لیے لازم ہے کہ اپنی راہ حیات متعین کر سکے، اپنے رہبر سے شناسا ہو بالفاظ دیگر اپنے زمانہ کے رہبر و امام کو پہچانتا ہو، اگر اس میں کوئی کمزوری ہو تو اس کا احساس کر پائے تاکہ درست و صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔

روحانی طاقت و استعداد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر مستقل و مستحکم طریقہ اور اعتقاد و یقین رکھتا ہو اور ایک ایسا رشتہ خدا اور پروردگار کے درمیان قائم ہو جو ہرگز ٹوٹنے والا نہ ہو، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا

"اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ، جو ٹوٹنے والا نہیں۔" (سورہ البقرہ:256)

بالفاظ دیگر اللہ رب العزت پر صحیح پختہ اور غیر متزلزل ایمان قائم ہو، انسان مکمل بصیرتِ قلب اور ذہن کے ساتھ اللہ رب العزت کی ذات گرامی کو تسلیم کرے، اللہ

رب العزت کو حلم و صبر اور قضا کا خالق و منبع جانے، اور حدود روحانی کو تمام حدود امکان سے بلند و بالا تسلیم کرے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا ذات الٰہی پر ایمان کامل کی مالک تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے ایمان و اعتقاد میں کسی قسم کی لچک نہیں، آپ رضی اللہ عنہا کو سنگین روحانی صدمات کا سامنا تھا، لیکن چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا ہدفِ زندگی خدائے بزرگ و برتر کی خاطر مقرر کیا گیا تھا، اس لیے پائے استقلال میں کسی طرح کی لغزش ممکن نہ تھی، نہ ہی آپ رضی اللہ عنہا کسی طرح کی شکستگی و درماندگی سے دوچار تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کو بخوبی فہم و ادراک تھا کہ ذات پروردگار ان تمام مصائب و آلام کو دیکھ رہی ہے، جو آپ رضی اللہ عنہا کو اس کی راہ میں اٹھانا پڑ رہے ہیں۔

اس میدان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مجاہدہ اور مکمل طور پر ایک باعمل خاتون ہیں آپ رضی اللہ عنہا انتہائی کوشش و ریاضت کے ذریعے اپنے عمل سے رضائے پروردگار کے حصول کی خاطر سرگرم عمل رہیں، اس راہ میں آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ جان و مال، اولاد اور تمام وہ چیزیں جو عام انسان کے لیے روشنی چشم کا باعث ہوتی ہیں، قربان گاہ الٰہی میں پیش کر دیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے رہبر کا مقام رکھتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ کا نصب العین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے مقصد حیات تھا، سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور طریق کار اور آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے قوت و استقلال کا باعث تھے۔

یہی وجہ تھی کہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا پوری جرأت و شجاعت اور استقامت کے ساتھ محکم و مستقل قدموں پر پیش قدمی میں مصروف تھیں، کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو حوصلہ دیا، اور یقین دلا رکھا تھا:

''پروردگار عالم کی استقامت تمہارے ساتھ ہو گی اور تمہارے
دشمنوں کو ذلیل و رسوا کرے گی۔''

یہی وجہ ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ مصائب و آلام اور کشمکش کے دوران جذبات غم والم کو ہٹا کر اپنے پرسوز قلب پر قابو رکھتی تھیں، انہیں اس بات کا فہم وادراک تھا کہ انہیں کیا کچھ کرنا اور کیسے آگے بڑھنا ہے۔

# سفرِ آخرت

مقرر و مورخین، شعرا اور مرثیہ نگاروں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پیغام کو دور و نزدیک ہر جگہ تک وسعت دی، جس سے تمام بلاد اسلامیہ میں روح کی بیداری اور آثار انقلاب رونما ہوئے، ان پیغامات و خطبات کے اثر سے ہر طرف آثارِ انقلاب نظر آنے لگے، ہر قسم کی بے چینی اور نشرِ واقعاتِ کربلا کے مراکز قائم ہوئے، لوگ یزید کے خلاف اعلانیہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کے جذبہ ایثار کے سایہ میں تاریخ 10 محرم الحرام 61ھ نہایت شان و شوکت اور جوش و خروش کے ساتھ ابھری، اور اوارقِ تاریخ پر سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے خانوادہ کے کوئی مجاہدات کے انمٹ اور مستقل نقوش ثبت کیے، دنیا پر آشکار ہو گیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہدف و مقصد کس بلندی و عروج پر تھا۔

دشمن کی یہ کوشش تھی کہ نہ صرف چراغ حسین رضی اللہ عنہ بلکہ چراغ اسلام ہی کو مٹا ڈالے لیکن وہ تو اس آیہ مبارکہ کا مصداق بن گیا:

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

''لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔'' (سورہ الصف:8)

دشمن کی خواہش تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے خانوادہ کو اسیر

بنا کر نور خدا کو بجھا ڈالے گا، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا، اور اس کی سیاہ کاریاں اور زیادہ نمایاں وآشکار ہو کر رہ گئیں، پھر دشمن یہ سوچ رہا تھا:

''اسیران اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی شہر بہ شہر تشہیر اور نوک ہائے نیزہ پر سرہائے شہداء کی نمائش سے لوگوں کی مختلف باتوں میں انہیں مرعوب کرے گا۔''

ہوا اس کے برعکس، اس کی بغاوت وکارگزاری گناہ لوگوں پر اور بھی آشکارہ و نمایاں ہوگئی، اور اس مسلسل تشہیر سے قاتلانِ حسین کا کردار اور زیادہ نمایاں اور بے نقاب ہو گیا، خود اپنے دور میں تو وہ عوام کو کسی حد تک مرعوب و خاموش کر پائے لیکن یہ روداد ہمیشہ کے لیے خاموش نہ ہوسکی۔

حادثہ کربلا اپنے اختتام کو پہنچ گیا، لیکن اس کے اثرات وثمرات نہ صرف یہ کہ فی زمانہ زندہ وتابندہ ہیں بلکہ انسانیت کے مستقبل میں ہمیشہ روشن وواضح اور قائم و دائم رہیں گے۔

کربلا کی ریتلی زمین پر جو پاکیزہ ومعصوم خون بہا وہ سطح زمین کو رنگین کر گیا، اسی خون ناحق نے ہر جگہ جوش مارا اور اس دن سے لے کر ہر زمانہ میں اس خون نے دوام پایا، سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے پیغامِ فدا کاری کا پرچم بلند کر کے اس پیغام کو بنی نوع انسان کے ہر فرد کی سماعت تک پہنچا دیا، یوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے لیے ظلم کے خلاف استقامت واحتجاج کی بنیادوں کو مستقل طور پر استوار کر دیا۔ بنی نوع انسان کو درس دیا:

''احتجاج حقیقی میں ان کا جملہ نہایت تیز وگرم ترین الفاظ میں ہونا چاہیے۔ سماعت کرنے والا اور مقابل خواہ کوئی بھی ہو۔''

دشمن کو اس بات کا فہم وادراک نہیں تھا کہ جو یہ خونِ ناحق بہا رہا ہے، کیسے

کیسے بیجوں کا آبیاری کرے گا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''دشمن کو معلوم نہ تھا کہ یہ خود اپنا مقام پیدا کرے گا۔''

تاہم دشمن ظلم خو اور کینہ جو نے اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کے قلوب میں خون بہایا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے تو اپنی اسیری و مجبوری میں کوفہ اور شام کے درباروں، بازاروں، اور اجتماعات میں، کوفہ و شام کے راستوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں کا مکمل جان داری سے دفاع کیا، عوام کے قلوب میں نور ہدایت کے چراغ روشن کر دیے، یہی نہیں بلکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو اور علم سے ان کے فکر میں ان کے جذبات میں ہیجان اور نورِ بینا پیدا کر دیا، ان میں ظلم و ستم کے مقابلہ کے حوصلہ کو پرورش کیا اور لوگوں کے قلوب و اذہان میں ظلم کے مقابلہ کی راہ ہموار کر دی۔

عوام کی ناراضگی، غم اور غصہ کی ابتدا نعرہ ہائے انقلاب، دشمنانِ اہل بیت کے خلاف نفرت، خاندان رسالت سے وفاداری اور محبت و عقیدت سے ہوئی، ان نعرہ ہائے انقلاب نے لوگوں کے شعور کو بیدار کیا، ان کا فہم و ادراک اجاگر کیا، انہیں سوچنے کی طاقت دی، جس کے باعث جمع ہو کر جماعتوں کی شکلیں منصۂ شہود پر آنے لگیں، جنہوں نے ظلم اور ظالم کے خلاف بغاوت و انتقام کی شکل اختیار کی۔

تاریخِ اسلام کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تاریخِ اسلام کا اہم ترین فرد ہیں، یہ وہ ممتاز و کامیاب ترین ہستی ہے جو اپنے فرض کی ادائیگی میں ایمانِ کامل اور عقیدہ مستقل کے ساتھ گامزن ہے، یہ وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے کردار کی استقامت سے نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تاریخِ

انسانیت کو از سرِ نو رقم کیا۔

جسٹس سید امیر علی مرحوم کہتے ہیں:

''کربلا کے قتلِ عام کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ نہیں ہوئی، لیکن یہ سب عرصہ برکات سے پُر تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے آثار جاودانہ اوراق تاریخ پر ثبت فرمائے، بے شمار ایسے اسباق عالم انسانیت کو تعلیم فرمائے جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا، یہ اسباق فرض شناسی، عبادت پروردگار، وفاداری و تقویٰ، شہید پروری و حق گوئی، بنی نوع انسان کے اخلاق جیسے موضوعات جلیلہ پر مشتمل ہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی پوری حیاتِ مقدسہ میں ایک لمحہ بھی ایسا میسر نہیں آتا، جب اس قدر شدید قسم کے ہجومِ مصائب و آلام کے باوجود ان فرائض کی بجا آوری میں جو آپ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھے، آپ رضی اللہ عنہا نے کسی قسم کی کمزوری یا سستی ظاہر کی ہو، ایک لمحہ کے بھی آپ رضی اللہ عنہا نے خود کو اپنی فطرت نورانیت کی شعاعوں کے پھیلنے یا فروغ انسانیت سے نہیں روکا، تمام عمر اللہ رب العزت کی راہ میں عبادت گزاری میں بسر کی، اور اپنی پوری ہستی کو اعلیٰ ترین اقدار کے احیاء میں صرف کر دیا۔

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی خاندانی زندگی میں کسی وقت کسی طرح بھی بے چارگی و بے بسی سے دوچار نہ تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایسی زندگی کی بالکل خوگر نہ تھیں جو درد و غم سے علو ہو، آپ رضی اللہ عنہا کا اپنا گھر اور پرسکون زندگی تھی، اپنی حیات عالیہ میں ہر طرح سرگرم اور مطمئن تھیں، شان و شوکت کی مالک تھیں، چاہنے والا شوہر تھا صاحبِ اولاد تھیں، زندگی کی ہر آسائش دسترس میں تھی، لیکن وقت آنے پر آپ رضی اللہ عنہا نے سب کچھ اللہ رب العزت کی راہ میں قربان کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مقدس ایک شمع کی مانند تھی، جو ماحول حیات کو زیادہ روشن کرنے کے لیے تیزی سے جلتی اور اپنے اختتام کو پہنچنے لگتی ہے، یہ مثال آپ رضی اللہ عنہا پر اچھی طرح صادق آتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جلد ہی اس عالم فانی کو خیر باد کہا، واقعہ کربلا کے بعد پوری ہمت، قوت اور جرأت کے ساتھ آگے بڑھیں، دمشق سے رہائی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہ رہ پائیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور طویل اسیری اور مصائب و شدائد کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک طویل عرصہ تک آرام فرمائیں گی، اس کی وجہ یہ تھی کہ دورانِ اسیری اور مصائب و آلام نے آپ رضی اللہ عنہا کو جسمانی تندرستی سے دور کر دیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہا انتہائی ناتوانی کا شکار تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہا کو آرام کی اشد ضرورت تھی، مگر چشم زمانہ نے دیکھا کہ ایسا کچھ نہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہا نے ناتوانی کے باوجود اپنے آرام کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عظیم پیغامِ شہادت کی اشاعت کو اپنی حیات کی سب سے بڑی ذمہ داری تصور فرمایا، آپ رضی اللہ عنہا کا درد سے معمور دل لوگوں کی طرف سے غم واندوہ کے شعلوں سے روشن تھا، آپ رضی اللہ عنہا اس بات کی خواہاں تھیں کہ یہ شعلے اسی طرح بھڑکتے رہیں اور لوگ اس کی تپش کو محسوس کر سکیں، اور ان حقائق سے آگاہ ہو سکیں جن کی خاطر آپ رضی اللہ عنہا کے بھائیوں اور تمام عزیزوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اب اس کی اشاعت کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہا کے ناتواں کندھوں پر تھی، جن سے عوام الناس کو مطلع و آگاہ کر سکیں۔

دین کی تبلیغ کی اس ذمہ داری اور اہمیت کے پیش نظر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے

مدینہ منورہ میں صرف اس لیے سکونت اختیار کی کہ انقلاب کی بنیاد رکھ سکیں، اور اہالیان مدینہ کو ان حقائق سے روشناس کرا سکیں جو آپ رضی اللہ عنہا نے جھیلے، اس کے بعد ایک اور فرض آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے ذمہ لیا، مدینہ شہر سے باہر دیگر مقامات کا سفر اختیار کر کے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے پیغام کو فروغ دے سکیں، اور شہادت کے حقائق و تفاصیل عوام کے سامنے لا سکیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی یہ ذمہ داری 10 محرم الحرام 61 ھ سے شروع ہوئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زیادہ عرصہ تک اس عالم فانی میں نہ رہیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کے زمانہ وفات کے بارے میں مؤرخین اختلاف کا شکار ہیں، بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے:

''آپ واقعہ کربلا کے بعد دو سال پانچ ماہ تک اس دنیا میں رہیں۔''

زیادہ قابل اعتماد روایت یہ خیال کی جاتی ہے:

''آپ رضی اللہ عنہا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ایک سال پانچ ماہ تک اس عالم فانی میں رہیں۔''

یہ بات پردہ مخفی میں ہے کہ اس دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف آپ رضی اللہ عنہا نے کب اور کہاں کوچ کیا، اس بارے میں بہت سے مباحث وجود میں آئے، جن میں سے کچھ سطور پیش کی جا رہی ہیں، تاہم اس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جس جگہ وفات پائی آپ رضی اللہ عنہا کو وہیں سپرد خاک کیا گیا، اور وہیں ان کا مزار بنا۔

بعض لوگ اس خیال کے حامی ہیں:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔''

بعض راویان اس خیال کے پابند ہیں:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سفرِ شام اختیار کیا اور وہیں سے اپنے سفر آخرت پر روانہ ہوئیں۔''

ایک روایت یہ بھی سامنے آتی ہے:

''شام کے کسی مقام پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی زمینداری تھی، جہاں آپ رضی اللہ عنہا زندگی بسر کرنے اور آرام کی غرض سے تشریف لے گئیں، وہیں صاحب فراش ہوئیں، اور سفر آخرت پر روانہ ہوئیں، اور وہاں موجود چھ قبور میں سے ایک قبر آپ رضی اللہ عنہا کی ہے۔''

بعض معتبر روایان کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک مصر میں ہے، ان کا دعویٰ ہے:

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا 61ھ میں مصر تشریف لے گئیں، اہل مصر اور وہاں کے عامل نے آپ رضی اللہ عنہا کا استقبال کیا، ایک عرصہ تک مصر میں مقیم رہیں اور وہیں اس فانی عالم سے رخصت ہوئیں، اور آپ رضی اللہ عنہا کو اسی مقام پر سپرد خاک کیا گیا۔''

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

''زینب (رضی اللہ عنہا) چاہتی تھیں کہ وہ اپنی عمر کا باقی زمانہ اپنے نانا کے مزار اقدس کے زیر سایہ بسر کریں، لیکن بنی امیہ اس بات پر راضی نہ ہوئے کیونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور وہ احباب جو ان کے ساتھ کربلا سے واپس آئے تھے وہ اہل مدینہ کو یزید کے مظالم کی داستانیں سناتے تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا قیامِ مدینہ اس بات کے لیے کافی تھا کہ غم کی آگ لوگوں کے سینوں میں شہیدوں کی مصیبت پر روشن کریں اور عوام کو

یزید کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے مجبور کریں، یہاں تک کہ مدینہ کے حاکم نے یزید کو خط لکھا کہ زینب (رضی اللہ عنہا) نے اپنی دانائی اور گویائی کی قوت سے اہل مدینہ میں ہیجان برپا کر دیا ہے، اور چاہتی ہیں کہ ان کی مدد سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیا جائے، یزید نے حکم دیا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کے باقی ماندہ خاندان کو مختلف شہروں اور اطراف میں منتشر کر دیا جائے، اس پر مدینہ کے حاکم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بلا کر کہا کہ مدینہ سے نکل جائیں، اور جہاں دل چاہے جا کر رہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے غصہ اور جوش میں جواب دیا:

''خدا گواہ ہے کہ ہم پر کیا کیا مصائب گزرے ہیں، ہمارے بہترین لوگوں کو قتل کر دیا گیا، اور جو باقی بچ رہے انہیں چوپایوں کی طرح دوسری جگہ ہنکایا گیا، ہمیں بغیر کجاوہ کے اونٹوں پر سوار کر کے پھرایا گیا۔

خدا کی قسم! اگر تم ہمیں مار بھی ڈالو ہم تب بھی مدینہ سے باہر جانا پسند نہ کریں گے۔''

بنی ہاشم کی خواتین نے جو یزید کے قہر وغضب سے خوف زدہ تھیں، انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نہایت نرمی اور لجاجت سے کہا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں۔

چنانچہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مجبوراً مدینہ سے چلی گئیں، اور پھر اہل مدینہ نے انہیں کبھی نہ دیکھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مصر تشریف لے گئیں، اہل مصر کا ایک گروہ استقبال

کے لیے آیا۔" (کربلا کی شیر دل خاتون از ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا مدفن شام میں ہو یا مدینہ میں، بہرصورت آپ رضی اللہ عنہا کی عظمت وجلالت اور روحانی اقدار کے فیض سے بہرہ مند ہونے والے اپنے اخلاص بھری نگاہوں کو آپ رضی اللہ عنہا کی زیارت سے مشرف ومنور کرتے رہتے ہیں، اور آپ رضی اللہ عنہا کی روحانی شخصیت کے پرتو میں رضائے الٰہی کی امید پر تمام اہل حق اور صاحبان ایمان کے دل ہی آپ رضی اللہ عنہا کا مزار ہیں۔

# سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

## (اجمالی جائزہ)

صدق وصفا، خوبی وکمال، صبر ورضا، زہدوتقویٰ، مہر ووفا، ایثار وقربانی کے بلند اوصاف کو اگر کسی ایک زندہ وجاوید شخصیت میں اپنے انتہائی عروج پر یکجا دیکھنے کی تمنا ہو تو ہزاروں مقدس پردوں کے اندر جلنے والی خاندان اہل بیت کی اس شمع کی تابانی میں دیکھئے جسے تاریخ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جن کی حیاتِ طیبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عفت وعصمت، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فصاحت و بلاغت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی درویشی وسادگی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور صداقت شعاری سے عبارت تھی، پانچویں یا چھٹے ہجری سال میں پیدا ہوئیں، بعض مؤرخین نے تاریخ ولادت 9ھ بیان کی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد تھے، خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

اس ہستی کی عظمت ورفعت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے جن کے نانا سرور کائنات شہنشاہ کونین سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، اور میلاد سعید کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب دہن سے ان کے حلق کو تر کیا ہو، جن کی نانی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہوں جنہیں جبرائیل علیہ السلام اللہ رب العزت کا سلام

پہنچانے کے لیے حاضر ہوتے تھے، جنہیں سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ایسی ماں کا آغوش شفقت نصیب رہا ہو، جن کی نانی محترمہ اور والدہ مکرمہ کو یہ شرف نصیب ہو کہ ان کے اسوہ حسنہ کو قیامت تک کے لیے نمونہ قرار دے کر یہ ہدایت کی گئی ہو کہ دنیا بھر کی مسلمان خواتین کے لیے ان کی تقلید کافی ہے، جنہیں پیکر و استغناء علم کے بحر بے کراں اور شجاعت و بسالت کے روح رواں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایسے باپ کی محبت و شفقت نصیب ہوئی ہو، ان کی خوبیوں اور بلندیوں کو کون شمار کر سکتا ہے۔ جس مبارک ہستی نے ایسے پاک اور مقدس ماحول میں آنکھ کھولی ہو، اور اس روحانی گردوپیش میں بچپن کی منازل طے کی ہوں ان کا دامنِ حیات بلند اوصاف کے کیسے کیسے موتیوں اور جواہرات سے جگمگا رہا ہوگا، ذرا اس پاک گھرانے کا تصور کیجئے جس کی چار دیواری صبح و شام تلاوتِ قرآن پاک کی قدسی آواز سے گونج رہی ہو اور آواز بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی جو رات کی خاموشی اور تنہائی میں چکی پیسنے کی آواز کے زیروبم کے ساتھ لپٹ کر عرشِ اعظم تک پہنچ رہی ہو۔

جس گھر کو صبر و رضا اور توکل و استغناء کے چراغوں نے بقعہ نور بنا رکھا ہو، جہاں کئی کئی دن تک چولہے میں آگ روشن کرنے کی نوبت نہ آتی ہو، جس گھر کے دروازے کے باہر زر و جواہر کے ڈھیر پڑے ہوں مگر اندر کئی روز کا فاقہ ہو، اس کے باوجود جس گھر کا دروازہ کھٹکھٹانے والا حاجت مند کبھی مایوس و نامراد واپس نہ گیا ہو، جس اسباب دنیا سے خالی سادہ اور فقیرانہ گھر پر کبھی عیش و عشرت اور فارغ البالی کا سایہ تک نہ پڑا ہو، مگر پھر بھی ایک عالم ہدایت و معرفت کی دولت سمیٹنے کے لیے اس گھر کے دروازے کے سامنے جھولی پھیلائے کھڑا ہو۔

جس گھر کے رہنے والوں نے اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تحمید کے علاوہ

کبھی اور کوئی آواز نہ سنی ہو، جس گھر میں سرکار دو عالم محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پہروں بیٹھ کر انوار کا مینہ برساتے ہوں، اور جس کے ہر ذرے نے آفتابِ نبوت کی کرنوں سے ہم آغوش ہونے کا شرف حاصل کیا ہو، دنیا کا وہ مبارک اور مثالی گھر جہاں دنیا کی ایک مثالی بیٹی، ایک فقید المثال بیوی، اور بے نظیر ماں رہتی تھی جس کے پرتو انوار سے آج بھی نسائیت کے تقدس کا چراغ روشن ہے۔ وہ صاحبِ کردار اور مخزن عظمت و جلالت ماں جس کا مقدس آغوش صداقت پر مر مٹنے، اللہ رب العزت کے نام پر کٹ مرنے اور اسلام کی بلندی کے لیے ہر فرعون و ہامان کے سامنے جرأت و استقلال سے سینہ سپر ہو جانے کا درس دینے کے لیے ایک عظیم الشان مکتب کا کام دے رہا تھا۔ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسی مکتب میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فیضان نظر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بسالت نگاہی کے سائے میں تربیت حاصل کی اور عظیم المرتبت بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا کو اہلِ بیت کے مقدس خون سے لالہ زار بنتے دیکھا، اپنے بچوں کو قدسیت اور خدا پرستی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کا اندازِ تربیت کیا تھا اس کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بچپن میں کسی بات پر تکرار ہو گئی جیسا کہ عام طور پر دو چھوٹے اور بڑے بہن بھائیوں میں ہو جاتی ہے، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے انہیں اس حال میں دیکھا تو اپنے پاس بلا کر قرآن کی آیات سنائیں اور فرمایا:

”کہ اس طرح آپس میں جھگڑ کر تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہو۔“

دونوں بچے قرآن سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے آئندہ کے لیے عہد کیا کہ کبھی ان سے ایسی کوئی بات سرزد نہ ہو گی جس سے اللہ رب العزت

ناراض ہوتا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے موقع پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر سعادت سات برس سے کچھ کم تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب حقیقی سے ہم آغوش ہونے کے لیے دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی والدہ مکرمہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ وہاں پر موجود تھیں، حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا نے بیٹی کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''بیٹی! میں اپنے بابا کو ایسی حالت میں رخصت کر رہی ہوں، جب کہ ہمارے گھر میں جلانے کے لیے تیل بھی نہیں ہے۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر ابھی سات سال سے کم ہی تھی کہ وہ اپنی بلند مرتبت ماں کے آغوشِ شفقت سے بھی محروم ہو گئیں، وفات سے پہلے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''زینب! میرے بعد اپنے بھائیوں کی ماں بھی تو ہے اور بہن بھی، اپنی ماں کی زندگی میں تو ہمیشہ بھائیوں سے بے پناہ محبت کرتی رہی ہے، میرے بعد بھی تمہاری محبت کا سلسلہ قائم رہنا چاہیے اور تم سب ہمیشہ اسی طرح سلوک اور محبت کے ساتھ رہنا۔''

سیدہ فاطمۃ الزہراؑ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادیاں کیں، مگر ان کے گھر میں ایسا ماحول پیدا نہ ہوا جو عموماً سوتیلی ماؤں کے آنے سے ہو جاتا ہے بلکہ سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی یتیمی کو رضائے الٰہی سمجھ کر ہمیشہ اسی راستے پر گامزن رہیں جو اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ تھا، ان کی بلند کرداری اور اعلیٰ اوصاف میں کوئی بات رکاوٹ کا موجب نہ بن سکی، اور ہمیشہ ایک سعادت

مند، نیک اطوار اور دیندار بیٹی کی طرح انہوں نے اپنے فرائض سرانجام دیے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج نے بھی پورے خلوص اور محبت کے ساتھ انہیں اپنے دامنِ شفقت میں اس طرح جگہ دی کہ جیسے لفظ سوتیلی ان کے نزدیک کفر کا ہم معنی اور عورتوں کے ایامِ جاہلیت کی مکروہ یادگار رہ تھا، جسے اسلام کی پاک تعلیم نے دوسرے مفاسد کی مانند مٹا دیا تھا۔

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ جوان ہوئیں تو خاندانِ نبوت کا عکس جمیل تھیں، زندگی سر سے پاؤں تک سادگی کا تصور، اخلاقِ کریمانہ کا حسین مجسمہ، بڑوں کے ساتھ عزت واحترام اور بچوں کے ساتھ بے حد پیار و محبت سے پیش آنے کی عادی، شرم وحیا کا پیکر، گفتار و کردار میں وہی اسلامی عظمت، وقار اور متانت اور ہر بات میں قدسیت کا جمال پنہاں تھا، بے حد مہمان نواز، خدا ترس اور حلیم و رحمدل تھیں، فیاضی اور سخاوت گویا خاندانی وصف تھا، بے حد عبادت گزار اور ہر لحظہ خدا کے خوف سے ڈرنے والی تھیں، شرم وحیا کا یہ عالم تھا کہ کبھی حقیقی بھائیوں سے بھی آنکھ اٹھا کر بات نہیں کی۔ تقویٰ اور ریاضت میں اپنی مثال آپ، حق گوئی اور بے باکی میں مجاہدانہ سطوت و عظمت تھی، آپ رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ جو ہر لحاظ سے ان کے لیے موزوں اور مناسب تھے، مؤرخین کہتے ہیں:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شباہت ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے قدرے ملتی تھی۔''

اللہ رب العزت نے حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کی دولت بھی وار عطا کر رکھی تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دوسرے بے شمار اوصاف کے علاوہ عرب کے بہترین اور فصیح و بلیغ مقرر خیال کیے جاتے تھے، اور ان کے کلام میں سحر بھرا ہوتا تھا ان کی بے نظیر اور عالمانہ تقریر ایک دفعہ تو سننے والوں کو مبہوت و مسحور کر دیتی تھی، یہی وصف سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کو نصیب ہوا تھا، ان کی یہ خصوصیت جہاں انہیں دوسری کئی مقدس خواتین اسلام سے ممتاز کرتی ہے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہم وصف بھی بناتی ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے میدان کربلا، کوفہ، دمشق اور یزید کے دربار میں جو خطبات ارشاد فرمائے تھے وہ آج بھی ہماری ملی تاریخ کا گراں قدر سرمایہ ہیں جن سے ان کی بے پناہ فصاحت و بلاغت، کلام کی روانی اور الفاظ کی نشست و برخاست پر قادر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

37ھ میں جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو کر کوفہ میں اقامت گزیں ہوئے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں مقیم تھیں، عام عورتوں کی طرح بے کار وقت ضائع کرنا تو ان کی عادت کے خلاف تھا، ان کا تمام وقت کن مشاغل میں صرف ہوتا تھا بناؤ سنگار، طرح طرح کے ملبوسات بنانے اور پہننے، سیر و تفریح اور دوسروں کی چغلیوں اور غیبتوں، نکتہ چینیوں اور عیب جوئی میں یا ذاتی آرام و آسائش کے اسباب جمع کرنے میں ہرگز نہیں، یہ باتیں تو ان پاک ہستیوں سے کوسوں دور تھیں، وہ تو خیر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت زہرا رضی اللہ عنہا تھیں، ایک عام اور اوسط درجے کی مسلمان عورت بھی ان باتوں کو گناہ سمجھتی تھی، اور اسے جاہلیت سے تعبیر کرتی تھی، چہ جائیکہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی لخت جگر پر ایسی فضول باتوں کا سایہ تک پڑ سکتا۔

ان کے مشاغل کیا تھے؟ غور سے سنیے اور یاد رکھیے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جن

کا جینا اور مرنا اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، جن کی زندگیوں کا مقصد وحید یہ تھا کہ تمام دنیا میں اللہ جل جلالہ کا نام بلند کیا جائے، حق و صداقت کا بول بالا ہو، جہالت اور پستی کے اندھیرے دور ہوں، اور لوگ اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھیں، وہ خود قرآنی تعلیمات کی چلتی پھرتی تصویریں تھیں، انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ دنیا میں ان کے آنے کا یہ مقصد نہیں کہ بہترین اور لذیذ ترین کھانے کھائیں، قیمتی سے قیمتی لباس پہنیں، گراں قیمت زیورات سے آراستہ ہوں اور دنیا سے رخصت ہو جائیں، بلکہ وہ خوب سمجھتی تھیں کہ ایک بلند ترین نصب العین کی امانت سنبھالے ہوئے ہیں جس کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا۔

یہ نصب العین اسلام تھا، جس کی بدولت دنیا میں مسلمانوں کو عزت و عظمت نصیب ہوئی تھی، اور وہ مسلمان کہلائے تھے، جس کے طفیل وہ قیصر و کسریٰ کی عظمت و شوکت کے وارث قرار پائے اور دنیا بھر کی دولت ان کے قدموں تلے پامال ہو رہی تھی، وہ اللہ رب العزت کے اس احسان عظیم کو خوب سمجھتی تھیں، اور اس کا حق ادا کرنا اپنا فرض خیال کرتی تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے خطابت اور تقریر کا ملکہ عطا فرمایا تھا اور ان کے کلام میں بے پناہ تاثیر پیدا کی تھی انہوں نے کوفہ کی مسلمان عورتوں کو جن میں نومسلم خواتین کی بہت بڑی تعداد شامل تھی قرآن کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ وہ نماز فجر سے نماز ظہر تک گھر کے فرائض ادا کرتی تھیں اور ظہر کی نماز کے بعد انتہائی فصیح و بلیغ زبان میں درس قرآن مجید دیتی تھیں، یہ ان کے علم کی وسعت اور تقریر کی دلکشی تھی کہ ان کے درس میں روزانہ ہزاروں عورتیں شامل ہوتی تھیں، اور دین سے واقفیت حاصل کرتی تھیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے درس میں بعض اوقات بہت

گہرے دینی اسرار بھی بیان کر جاتی تھیں، ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہا حسب معمول درس دینے میں مصروف تھیں کہ اتفاق سے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں نے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی چند باتیں سن لیں، اسی وقت اپنی قابل فخر بیٹی کو بلا کر فرمایا:

''بیٹی! اسرار دین سے متعلق ایسے گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کیونکہ انہیں سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے بہت بڑی علمی استعداد اور قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

شرم و حیا کا یہ عالم تھا کہ عورتوں کے سامنے درس دیتے وقت بھی نگاہیں جھکی رہتی تھیں، تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ فرماتیں:

''دنیا کی زندگی اس سایہ دار درخت کی سی ہے جس کے سائے میں مسافر کچھ دیر کے لیے ستا لیتے ہیں۔''

آپ رضی اللہ عنہا کو تن آسانی اور آرام پسندی سے سخت نفرت تھی، وقت کا بیشتر حصہ عبادت میں بسر کرتی تھیں، اور دن رات کثرت سے نوافل ادا کرنا ان کی عادت بن چکی تھی، اکثر روزے سے رہتی تھیں، اسی وجہ سے عابدہ کے لقب سے مشہور تھیں، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''میری پھوپھی نے سفر کی مصیبتوں اور صعوبتوں میں بھی کبھی نوافل ترک نہیں کیے۔''

ان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا:

''بہن! پچھلے پہر کے نوافل میں مجھے بھول نہ جانا۔''

ان کی زبان پر ہر وقت اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء جاری رہتی تھی، وہ گھر میں ہوں یا

سفر میں کسی بھی حالت میں ہوں ہر وقت تسبیح وتحمید میں مصروف رہنا ان کا شیوہ تھا،
حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بہت مشہور ہے:

''جو شخص اس بات کی تمنا رکھتا ہو کہ وہ قیامت تک دنیا میں کسی دوسرے شخص کا محتاج نہ ہو تو اسے چاہیے کہ ہمیشہ اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء میں مصروف رہے۔''

61ھ میں جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے جاں نثاروں اور اہل بیت کے ہمراہ کربلا تشریف لے گئے تو ان پر جان فدا کرنے والی وفا دار بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے بیٹوں سمیت ان کے ہمراہ تھیں، شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق تمام واقعات ان کے سامنے رونما ہوئے، یزیدی افواجِ نے اہل بیت کے اس نہتے اور مختصر سے قافلے کو جس وحشت و درندگی اور شقاوت قلبی کا نشانہ بنایا اس کی تفاصیل ہر مسلمان کو معلوم ہیں، سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کو شہید کرا دیا، اپنے جانثاروں کے لاشے انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی ریت پر تڑپتے دیکھے، ننھے ننھے معصوم جگر پاروں کو تیروں سے چھلنی ہوتے دیکھا اور آخر میں اپنا سر مبارک بھی کٹوا دیا، مگر یہ برداشت نہ کیا کہ ایک ظالم اور فاسق و فاجر بادشاہ کی اطاعت قبول کریں۔

یزید اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نافرمانی کرتا تھا، اس لیے شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمانوں کا خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، یزید کی فوجوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کو میدان کربلا میں گھیر لیا اور یزید کی اطاعت قبول کرنے کے لیے مجبور کیا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا تو یزیدی فوج کے افسروں نے دریائے فرات پر پہرے بٹھا دیے، کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو پانی کا ایک قطرہ نہ مل سکے۔ دوزخ کی طرح

دہکتا ہوا ریگستان اور چلچلاتی ہوئی دھوپ ایسی حالت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حرم کی خواتین اور ننھے ننھے بچے شدت پیاس سے بلکتے رہے۔ حلق سوکھ کر کانٹا ہو گئے، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے کسی قیمت پر بھی دین کی عزت و عظمت کو فروخت کرنا گوارا نہ کیا بلکہ مجاہدانہ عزم و استقلال کے ساتھ اپنی بات پر قائم رہے، آخر جنگ شروع ہوئی تو چند دنوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام جاں نثار ساتھی ایک ایک کر کے ان پر فدا ہو گئے، اور اس نازک موقع پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں نوجوان بیٹوں حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے اللہ رب العزت کی راہ میں شہید ہونے کے لیے بھیجا اور انہیں آخر دم تک داد شجاعت دینے کی تاکید فرمائی۔ دونوں ہونہار بیٹے اپنی عظیم المرتبت ماں کے ارشاد کے مطابق لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے سجدہ شکر ادا کیا۔

آخر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی باری تھی، حضرت امام علی بن حسین رضی اللہ عنہ جو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں خیمے میں بیمار پڑے تھے، وہ فرماتے ہیں:

> ”جس رات کی صبح کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدان شہادت میں جانے والے تھے اس رات میں بیمار پڑا تھا اور میری پھوپھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا میری تیمار داری کر رہی تھیں، اسی اثناء میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خیمے میں داخل ہوئے اور انہوں نے چند اشعار پڑھے جنہیں سن کر میں نے آپ رضی اللہ عنہ کا ارادہ سمجھ لیا، میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے کیونکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ہم پر مصیبت پوری طرح نازل ہو چکی ہے، مگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ضبط نہ کر سکیں اور چلا اٹھیں، جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بہن کی یہ حالت دیکھی تو ان

کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:‘‘

’’اے بہن! یہ کیا بے صبری ہے اور کیسا رونا پیٹنا ہے؟ اللہ سے ڈرو کہ موت یقیناً آنے والی چیز ہے، اور اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔‘‘

’’لیکن حضرت زینب رضی اللہ عنہا شدت غم سے نڈھال ہو رہی تھیں، کیونکہ ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ کل طلوع ہونے والی صبح کتنے خوفناک مظالم اپنے ساتھ لے کر آ رہی ہے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان کی یہ حالت دیکھ کر خود آگے بڑھے اور ہوش میں لائے پھر فرمایا:

’’اے بہن! یہ کیا غم و حزن ہے جس کا اظہار تم کر رہی ہو؟ تمہیں چاہیے کہ اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق جو طریق غم و حزن ہے اسے اختیار کرو کیونکہ میرے لیے اور ہر ایک مسلمان کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال و افعال کی پیروی ایک بہترین نمونہ ہے۔‘‘

مقام غور ہے کہ جس صابر و شاکر خاتون رضی اللہ عنہا نے بڑے استقلال کے ساتھ یزیدی فوج کے بے پناہ جور و ستم کو برداشت کیا اور خود اپنے دونوں نو عمر بیٹوں کو اسلام کی عظمت اور صداقت پر قربان کر دیا، اس کے ہاتھوں سے یک لخت صبر و تحمل کا دامن کیسے چھوٹ گیا؟ اگر ہم ایک لمحہ کے لیے چشم تصور سے کربلا میں اہل بیت اور ان کے جاں نثاروں پر ہونے والے مظالم کے خوفناک مناظر سامنے لائیں تو دل خون ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک خاتون کا اس درجہ صبر و استقلال صرف ان ہی بزرگ ہستیوں کا حصہ ہو سکتا ہے، جو دنیا میں دوسروں کے لیے نمونہ بن کر آتی ہیں، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت

علی رضی اللہ عنہ کی ان اضطرابی کیفیات کا تعلق جہاں ایک طرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایسے عظیم اور پیارے بھائی کی فطری محبت سے تھا تو دوسری طرف ان کے بے پایاں غم و اندوہ کا باعث یہ تھا کہ امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ناعاقبت اندیش طبقہ اپنے ہاتھوں خاندانِ نبوت کا آخری چراغ گل کر دینے پر کمر بستہ ہو چکا تھا، انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ صبح رشد و ہدایت کا یہ روشن چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا جائے گا، اور اس کے بعد دنیائے حق و صداقت کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایسا کاروانِ سالار پھر میسر نہ آ سکے گا۔

ایک ایسے دور میں جب دنیائے اسلام پر یزید ایسے فاسق و فاجر خود ساختہ بادشاہ کا پرچم لہرا رہا تھا اور وہ ظالم اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اسلام کی بیخ کنی میں مصروف تھا، خزانوں اور دولت پر اس کا قبضہ تھا، ان گنت فوج ہر وقت اس کے اشارۂ ابرو کی منتظر رہتی تھی اور کچھ نامی لوگ چند روزہ عیش و آرام کی خاطر اپنا ایمان اور ضمیر یزید کے پاس گروی رکھ چکے تھے، اسلام نے انسان کی عزت و عظمت اور شرف و آزادی کے لیے جو مسند بچھائی تھی۔ اس پر چند ظالم اور جابر قبضہ جما چکے تھے، اور اسے میراث سمجھ کر مسلمانوں کے حقوق پامال کر رہے تھے۔ جو لوگ آزادی کے ساتھ یزید کی مخالفت نہ کر سکتے تھے وہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر چکے تھے اور ہر طرف فتنہ و فساد کا دور دورہ تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ساری خدائی ایک دفعہ پھر حق و انصاف کے خلاف صف آرا ہو گئی ہے۔

ایسے حالات میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں اور اصحاب کے ساتھ جو دنیائے اسلام کے لیے امید کی آخری کرن تھے، اور یزید کے ظلم و ستم کو سہمی ہوئی ہزاروں آنکھوں اور امید بھری نگاہوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہی تھیں کیونکہ اس شر و فساد سے بھرپور ماحول میں

صرف وہی حق و صداقت کی آواز بلند کر سکتے تھے، اور اپنے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عظمت کو دنیا دار بھیڑیوں سے بچانے کے لیے ملتِ اسلامیہ کو ایک پرچم تلے جمع کر سکتے تھے، مگر اس وقت تک حالات جو صورت اختیار کر چکے تھے، اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دنیائے اسلام کی یہ آخری امید اور آرزو بھی مایوسی و بدقسمتی کے اندھیرے میں بہت جلد بدلنے والی ہے، اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کا حد سے بڑھا ہوا اضطراب کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں۔

شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے مختلف مواقع پر جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں ان کا ایک ایک لفظ ان کے خونِ جگر میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ انہیں اسلام سے کس قدر والہانہ محبت تھی اور انہیں صورت حال کا کتنا شدید احساس تھا، ان کے زخمی دل کی ٹیسوں کو کچھ وہی محسوس کر سکتا ہے جسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایسے عظیم بھائی کی روحانی اور اخلاقی بلندیوں کا پورا احساس ہو، جس کا دل ملت کی زبوں حالی سے زخمی ہو چکا ہو۔

اگلے دن وہ منحوس صبح نمودار ہوئی جب اسلام کے بطل جلیل اور حریت و شجاعت کے شہنشاہ شانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر سوار ہونے والے کربلا کے غازی حق و آزادی کے ایک درخشندہ ترین باب کو اپنے پاک خون سے لوحِ عالم پر لکھنے کے لیے میدان دغا میں نکلے تو تاریخ عالم حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہی تھی، ایک طرف ایک جابر و قاہر خود ساختہ شہنشاہ کا لشکر عظیم تھا اور مقابلے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بھوکا پیاسا، پریشان حال اور غریب الوطن نواسہ تھا، جو تنِ تنہا اس سیلاب ظلم و عدوان سے ٹکرانے کے لیے کھڑا تھا۔

تاریخ کی آنکھوں نے یہ منظر پہلی اور آخری بار دیکھا کہ ہزاروں تلواریں حق و

صداقت کی اس ایک تلوار سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں، اس وقت بھی وہ ظلم وستم اور اللہ رب العزت کی نافرمانی کے سامنے سر جھکا کر نہ صرف اپنی زندگی بچا سکتا تھا بلکہ ایک اشارۂ ابرو سے دنیا بھر کے عیش و آرام حاصل کر سکتا تھا، دنیاوی شوکت وحشمت کے حصول کے لیے اس کی ہر آرزو پوری ہو سکتی تھی، مطالبہ صرف اتنا تھا کہ وہ یزید کو خلیفہ تسلیم کر لے۔ اس کے بعد خاندان نبوت کے لیے ہر بڑے سے بڑا اعزاز حاضر تھا، وہی ان گنت تلواریں جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقدس خون چاٹنے کے لیے بجلی بن کر چاروں اطراف لہرا رہی تھیں وہی ان کی حفاظت کے لیے سایہ بن جاتیں مگر وہ دل تو توحید الٰہی کا پرستار تھا اور اس سر میں محبوب حقیقی کے عشق کا سودا سما چکا تھا۔

وہاں تو صداقت کی لاج کا سوال پیدا ہو چکا تھا اور اسلام کی عظمت ترازو کے ایک پلڑے میں تھی اور دوسرے میں دنیا اپنی تمام دل کشیوں اور رعنائیوں کے ساتھ خاتم النبیین رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لخت جگر کے فیصلے کی منتظر تھی، وہ اس شاہ دوسرا فدا ابی وامی کا نواسہ تھا جس نے اپنے مشفق ومہربان چچا کو فرمایا تھا:

”اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دیا جائے تو میں حق وصداقت کی آواز بلند کرنے سے باز نہیں رہوں گا۔“

دنیا کی دلکشی و رعنائی ان کے پائے استقلال کو کیسے متزلزل کر سکتی تھی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تن تنہا پورے یزیدی لشکر اور ظالم فرمانروا کی حشمت و صولت کو میدان کربلا میں للکار کر اپنے اٹل فیصلے کا اعلان کر دیا کہ وہ دنیا کے نہیں دین کے شیدائی ہیں، وہ شجاعت و دلیری سے لڑتے ہوئے کئی زخم کھا کر جام شہادت نوش فرما گئے، ایک ظالم کوفی نے آگے بڑھ کر ان کا سر تن سے جدا کر دیا تو

سیدہ زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا کی دردو غم میں ڈوبی ہوئی آواز نے فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا کر دیا فرمایا:

''اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھ لیا کہ تم نے میرے وصال کے بعد آخری امت ہونے کے باوجود میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا؟ تو کیا جواب دو گے، تم نے ان میں سے بعض کو قیدی بنا رکھا ہے اور بعض کا خون بہایا ہے، کیا میری ہدایت کا تم نے یہ بدلہ دیا ہے کہ میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ بدسلوکیاں کیں۔''

مگر ظالموں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر تن مبارک سے جدا کرنے کے بعد ان کی زخموں سے چور نعش مبارک کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا، ذرا اندازہ کیجئے اس وقت اپنے محبوب بھائی سے بے پناہ محبت کرنے والی بہن نے کن آنکھوں سے یہ پریشان کن منظر دیکھا ہوگا، ابن اثیر کی روایت ہے:

اس وقت فرط غم سے بے تاب ہو کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کی جانب رخ کر کے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں فریاد کی:

''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیجئے، یہ تڑپتی ہوئی، خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے حسین (رضی اللہ عنہ) کی ہے، دشمنوں نے اس کا وہ جسم جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک کی زینت بنا کرتا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں طوق و سلاسل میں جکڑی ہوئی ہیں، اے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین (رضی اللہ عنہ) کی جی بھر کر رسوائی کی گئی ہے۔ اسے غلام زادوں نے بے رحمی سے شہید کر دیا ہے، حسین (رضی اللہ عنہ) کی

اولاد کو قیدیوں کی طرح ہنکایا جا رہا ہے، آپ کے حسین رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر دیا گیا ہے، سر سے عمامہ اور جسم سے چادر بھی اتار لی گئی ہے۔ چاشت کے وقت حسین (رضی اللہ عنہ) خیمے میں تھے، اب نہ خیمہ ہے اور نہ کچھ اور طنابیں تک کاٹ دی گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین (رضی اللہ عنہ) نے زخم پر زخم کھائے ہیں، وہ نڈھال ہو کر بھوکا پیاسا دنیا سے رخصت ہو گیا، یہی وہ حسین (رضی اللہ عنہ) ہے جس کا نانا امام الانبیاء اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔''

اس فریاد کے پس منظر میں سانحہ کربلا کی تفاصیل پڑھیں تو دل خون ہو جاتا ہے، دشمنوں نے خیموں کو آگ لگا دی تھی اور سامان بھی لوٹ لیا تھا، ایک سفاک نے بیمار زین العابدین رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کرنا چاہا، مگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان سے لپٹ گئیں اور ان کو شہید ہونے سے بچا لیا، اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تمام محترم اور مقدس خواتین کو حراست میں لے لیا گیا تھا، اوران کو قیدیوں کی طرح ہنکایا جا رہا تھا، شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اس غریب الوطن اور مظلوم قافلے کو گرفتار کر کے کوفہ کی طرف چلنے کا حکم دیا گیا، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ بے اختیار اپنے پیارے بھائی کی سر بریدہ لاش سے لپٹ گئیں، اور زار و قطار روتے ہوئے فرمایا:

''اے میرے عزیز بھائی! میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا، میں غم و اندوہ کی وجہ سے جدا نہیں ہو رہی بلکہ تیرے قاتل مجھے تیری لاش سے زبردستی ہٹا رہے ہیں۔''

ابن قیس کی روایت ہے:

''جب عمرو بن سعد میدان جنگ سے خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تو عورتوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ان کے بیٹوں اور

عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کرسکیں اور آہ وفریاد کی دلدوز صدائیں بلند ہوگئیں، میں گھوڑا لے کر قریب پہنچا میں نے آج سے پہلے اس قدر حسین عورتیں کبھی نہ دیکھی تھیں، مجھے زینب رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بین کسی طرح نہیں بھولتا۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود وسلام یہ دیکھ حسین ریگستان میں پڑا ہے، خاک وخون سے آلودہ ہے، تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے، تیری بیٹیاں قیدی ہیں، تیری اولاد مقتول ہے، ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔''

دو روز بعد مظلومین اہل بیت کا یہ جلوس اس طرح کوفہ کی طرف روانہ ہوا کہ قیدی خواتین حرم کے آگے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک تھا، جسے ظالموں نے نیزے پر چڑھا رکھا تھا، جب کوفہ میں داخل ہوئے تو شہر کے تمام لوگ، عورتیں، مرد اور بچے گھروں سے باہر نکل آئے اور اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ حالت دیکھ کر زار وقطار رونے لگے، اور لوگوں کی آہ وپکار سے فضا معمور ہوگئی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے گرجدار آواز میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے کوفہ والو! بدعہدو! تم وہی ہو جنہوں نے وعدہ خلافی کی اور اب تم بلک بلک کر رو رہے ہو، تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو سوت کاتتی ہے اور جب کات چکتی ہے تو اپنے ہاتھوں سے دھاگے توڑ ڈالتی ہے، کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم میں سے ایک شخص بھی ایسا ہے جو جھوٹا، وعدہ خلاف، بڑ ہانکنے والا نہ ہو، جس کے دل میں فتور اور نظروں میں کھوٹ نہ ہو، جس کی عادت میں فریب نہ ہو، جو دشمنوں کی طرح دل میں بغض نہ رکھتا ہو اور جو راہ حق سے منہ موڑ کر بے

دینی پر تلا ہوا نہ ہو، تم سے تمہارا خدا ناراض ہے اور تم پر اس کا قہر نازل ہو کر رہے گا، جھوٹے اور فریب کار کوفیو! تم میرے بھائی کی شہادت پر مگر مچھ کے آنسو بہا رہے ہو، ہاں خدا کی قسم! خوب آہ و زاری کرو، خوب آنسو بہاؤ، تمہارے لیے یہی بہتر ہے، ہنسو کم اور روؤ زیادہ، یہ بدنما داغ جو تمہارے دامن پر لگ چکے ہیں ان آنسوؤں کے پانی سے نہیں دھل سکتے، تم نے جس برے کردار کا مظاہرہ کیا ہے، اس نے تمہیں جنت سے محروم کر دیا ہے تمہاری یہ حرکت تمہیں سانپ بن کر ڈستی رہے گی، کیا تم ذلت و خواری کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہو، تمہیں اس کا احساس نہیں، قدرت نے اب نیکی کی صلاحیتیں تم سے سلب کر لی ہیں، تم بے دست و پا ہو، تمہاری صورتیں مسخ ہو چکی ہیں، کوفیو! تم نے اللہ جل جلالہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی تحقیر و تذلیل کی ہے، تمہارا جرم اتنا بڑا ہے کہ اس کی پاداش میں تمہاری صورتیں مسخ ہوں گی اور تم ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہو گے کیا عجب ہے کہ تم پر خون کی بارش ہو۔"

ابن کثیر جو اسی عہد کا ایک بہت بڑا ادیب اور مقرر تھا اس وقت مجمع میں موجود تھا، اس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی تقریر سے متاثر ہو کر کہا:

"میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہا پر فدا ہوں! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ بزرگ، آپ رضی اللہ عنہا کی عورتیں، آپ رضی اللہ عنہا کے جوان غرضیکہ آپ رضی اللہ عنہا کا پورا خاندان دوسروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، آپ رضی اللہ عنہا وہ ہیں جن کی گردنیں باطل کے سامنے جھکنے کی عادی نہیں ہیں، اور آپ رضی اللہ عنہا وہ ہیں صدق گوئی اور حق پرستی جن کی فطرت کا

ایک حصہ ہے۔"

اس کے بعد اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ستم رسیدہ خواتین کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بے حد معمولی لباس پہن رکھا تھا اور وہ پہچانی نہ جاتی تھیں، ابن زیاد نے پوچھا:

"یہ کون بیٹھی ہے؟"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا مگر آپ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں، تب ان کی کنیز نے جواب دیا:

"یہ زینب رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔"

ابن زیاد نے طنزیہ انداز میں کہا:

"اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا ہے اور تمہارے نام کو داغ لگایا۔"

یہ سنتے ہی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے گرج کر جواب دیا:

ہزار ستائش اس خدا کے لیے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہے، فاسق رسوا ہوتے ہیں اور فاجروں کے نام کو داغ لگتا ہے۔"

ابن زیاد نے پھر کہا:

"تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ان کی قسمت میں شہادت لکھی تھی، اس لیے وہ مقتل میں پہنچ گئے، عنقریب خدا انہیں اور تجھے ایک جگہ جمع کر دے گا اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے۔"

ابن زیاد یہ سن کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا تو عمر بن حریث نے کہا:

''خدا امیر کو سنوارے یہ تو محض ایک عورت ہے عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔''

ابن زیاد نے پھر جھنجھلا کر کہا:

''خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔''

اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

''خدا کی قسم! تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا، میرا خاندان مٹا دیا، میری شاخیں کاٹ دیں، میری جڑ اکھاڑ دی، اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔''

ابن زیاد نے مسکرا کر کہا:

''یہ شجاعت ہے، تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''عورت کو شجاعت سے کیا سروکار، میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے۔''

اس کے بعد ملعون ابن زیاد نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ایک جواب سے آگ بگولا ہو کر انہیں قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں اور کہا:

''میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اگر تو اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ مار ڈال۔''

ابن زیاد دیر تک حیرت کے ساتھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھتا رہا، پھر

لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

''رشتہ بھی کیا عجب چیز ہے، اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے اس لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے، اچھا اس لڑکے کو رہا کر دو اور اسے بھی دوسری عورتوں کے ساتھ جانے دو۔'' (ابن جریر کامل)

ابن زیاد نے اس بے سرو سامان قافلے کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کے سر مبارک کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا، الانوار میں لکھا ہے:

''جب یہ قافلہ دمشق پہنچا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا دردناک اشعار پڑھ رہی تھیں، ان اشعار کا مطلب یہ تھا:

''اے اہل بیت! کیا تمہیں اس حادثے نے غمزدہ نہیں کیا، کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) بھوکے پیاسے شہید ہوئے جب کہ ان کے علاوہ ہر شخص سیراب تھا، حسین (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں سے ہر چند کہا کہ میرے باپ علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) ہیں جو متقی اور پرہیز گار تھے، میری ماں سیدہ فاطمۃ الزہراؑ (رضی اللہ عنہا) ہیں، جو زہد و تقویٰ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں، لیکن لوگوں نے کہا تو یہی کہا کہ تمہارے لیے آبِ تیغ تو ہے آبِ فرات نہیں۔''

جب یہ لوگ یزید کے دربار میں پیش کیے گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا، اور یزید سے کہنے لگا:

''اے امیر! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے اور میری طرف اشارہ کیا، اس وقت میں کم عمر اور خوبصورت تھی، یہ سن کر خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب رضی اللہ عنہا کی چادر مضبوطی سے پکڑ لی۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا:

''تو کمینہ ہے، نہ تجھے اس کا اختیار ہے اور نہ یزید کو اس کا حق ہے۔''

یزید کو یہ سن کر سخت غصہ آیا اور اس نے غضب ناک آواز میں کہا:

''تو جھوٹ کہتی ہے خدا کی قسم! مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اسی طرح سخت لہجے میں جواب دیا:

''ہرگز نہیں، خدا نے تمہیں یہ حق نہیں دیا، یہ دوسری بات ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ، اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔''

یہ سخت جواب سن کر یزید اور بھی برہم ہوا اور کہنے لگا:

''دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکے ہیں۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ رب العزت کے کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے ہدایت پائی ہے۔''

یزید نے چلا کر کہا:

''اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے۔''

اس موقع پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ظالم و جابر یزید کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، اس خطبے کے ہر ایک لفظ سے جرأت و بسالت، حق گوئی و بے باکی، خود اعتمادی اور اسلام کی محبت ٹپکتی ہے، وہ ایک بے بس و مجبور اور بے دست و پا قیدی کی حیثیت سے یزید کے سامنے کھڑی تھیں، مگر ان کی تقریر میں بادل کی کڑک، بجلی کی چمک اور طوفان کا سا زور تھا، دیکھئے ایک جابر ترین حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی روایات کو حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہ شہید کی بہن نے کس طرح زندہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان عورت بدترین حالات اور خوفناک ترین مصائب میں بھی ظلم و تشدد اور جبر و عدوان سے مرغوب ہونا نہیں جانتی، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اے یزید! اگر تو نے اللہ جل جلالہ کی زمین کو اس کی وسعتوں کے باوجود ہم لوگوں پر تنگ کر دیا ہے، اور ہم تیرے قبضے میں آ گئے ہیں، ہمیں زنجیروں میں جکڑ کر کشاں کشاں تیرے پاس لایا گیا ہے، تو کیا تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ذلت میں مبتلا کر دیا ہے، اور تجھے عزت عطا کی ہے، تیرے سر پر غرور اور تکبر کا نشہ سوار ہے، تجھے اس بات پر فخر ہے کہ تیرے ارد گرد ہاں میں ہاں ملانے والے لوگ جمع ہیں۔ تجھے اس بات پر ناز ہے کہ تو اپنی خواہش کے مطابق حکومت کر رہا ہے اس وقت جب کہ پورے ملک پر تیرا قبضہ ہو چکا ہے، اور تیرے لیے راستہ ہموار ہو چکا ہے، شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ حکومت ہمیشہ کے لیے تیرے حصے میں آ گئی ہے، چند دن انتظار کر، ابھی سے اتنا مغرور نہ بن، کیا تو اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھول گیا ہے کہ منکرین یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں اس میں ان کے لیے بہتری ہے، مہلت تو ہم اس لیے دیتے ہیں تا کہ وہ اور زیادہ گنہگار ہو جائیں، آخر کار ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

اے یزید! کیا یہ انصاف ہے کہ تیری عورتیں تو پردے میں رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں بے حجاب پھرائی جائیں، انہیں قیدی بنایا جائے، دشمن انہیں شہر بہ شہر لیے پھریں، تیرے سر پھرے سپاہی

نہایت گستاخی کے ساتھ انہیں گھور گھور کر دیکھیں، ان کے ساتھ نہ تو مردوں میں کوئی سر پرست ہے، اور نہ کوئی حمایت کرنے والا۔

اے یزید! تیرا یہ فعل خدا سے بغاوت نہیں ہے تو کیا ہے، اگر اسے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے، بھلا اس شخص سے کیا امید کی جا سکتی ہے جس کی تیغ زبان سے شہداء کے قلوب مجروح کیے، جس نے پاکیزہ اور برگزیدہ ہستیوں کے جگر چبائے عرب میں جو خدا کی منکر جماعت ہے تم اس سے بھی زیادہ سخت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تم کو بیر ہے۔

اے یزید! تو نے اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دردی سے ذبح کر کے پرانی عداوت کا بدلہ لیا ہے، ایک دن ایسا آئے گا کہ تیری خواہش یہ ہو گی کہ دنیا میں نہ تیرے ہاتھ ہوتے اور نہ زبان تا کہ جو کچھ تو کرتا اور کہتا رہا ہے نہ ہوتا۔

اے یزید! عنقریب تو اور شہداء ایک جگہ جمع ہوں گے، تیری ماں اس وقت یہ خواہش کرے گی کہ کاش تو اس کے پیٹ سے پیدا نہ ہوتا، اور تیرے باپ کی خواہش یہ ہوگی کہ کاش! تو اس کا بیٹا نہ ہوتا، اس دن ہم تجھے اللہ رب العزت کے قہر و غضب کا نشانہ بنتے ہوئے پائیں گے۔ ہم کہیں گے کہ اے اللہ! اس پر اتنا قہر نازل کر، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی سخت افسردہ ہوں گے۔

اے یزید! یہ وقت کا انقلاب ہے کہ آج مجھے تیرے سامنے لب کشائی پر مجبور ہونا پڑا ہے، ورنہ یقین جان کہ میں تجھ سے سخت نفرت کرتی

ہوں اور میں تجھے ذلیل سمجھتی ہوں، تیری سخت گیری اور دشمنی کا میرے دل پر بڑا اثر ہے، میرے دل سے ہوک اور میرے سینے سے آہیں نکلتی ہیں۔ اگر تو نے یہ سمجھا ہے کہ ہم بکریوں کا ریوڑ ہیں تو عنقریب تجھ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ہم قہر و غضب کے عالم میں بپھرے ہوئے شیروں سے بھی زیادہ غضب ناک ہیں اور اس بات کا علم تجھے اس وقت ہو گا جب تیرے ارد گرد نوکروں، چاکروں، غلاموں اور کنیزوں کا ہجوم نہ ہو گا، یزید! تو اپنی دھن میں مست رہ کر جو جی میں آئے کرتا جا مگر قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمارے خاندان کو وحی الہام کے شرف سے نوازا، ہم کو زیادہ دیر تک اس حال میں نہیں رکھے گا، دنیا سے ہمارے نقوش نہیں مٹیں گے، تو نے ہم پر جو مظالم کیے ہیں تجھے ان کا بدلہ ضرور ملے گا، تو مکر و فریب کی ایک پوٹ ہے اور تیرا یہ اقتدار چند روزہ ہے، تیری حکومت تباہ و برباد ہونے والی چیز ہے۔''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی، تین سال سات ماہ بعد یزید درد قولنج میں مبتلا ہوا اور تڑپ تڑپ کر 64ھ میں مر گیا، مرنے سے پہلے اس نے اپنے بیٹے معاویہ ثانی کو وصیت کے لیے بلایا مگر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ مجھے ایسی سلطنت نہیں چاہیے جس کی بنیاد اولاد رسول کے خون پر رکھی گئی ہو، 66ھ میں ایک شخص مختار بن عبید ثقفی عذاب الٰہی بن کر ظاہر ہوا اور اس نے اقتدار حاصل کرتے ہی تمام قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو سخت اذیتیں دے کر قتل کیا۔

حضرت فاطمہ بنت رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

''جب یزید نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو کہا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے تو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے، ظلم سے گالیاں دیتا ہے، اپنی طاقت سے مخلوق کو دباتا ہے۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے:

یہ سن کر یزید شاید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر وہ خاموش رہا، مگر وہ شامی جس نے حضرت فاطمہ بنت علی رضی اللہ عنہا کا مطالبہ کیا تھا پھر کھڑا ہوا اور وہی بات دہرائی، اس پر یزید نے غضب ناک آواز میں ڈانٹ کر کہا:"

"دور رہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے۔"

اس کے بعد یزید نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ رکھا اور چند روز بعد نہایت اچھے طریقے سے اپنے ایک معتبر آدمی کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا، راستے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھائی کی قبر دیکھی تو دل بھر آیا اور فرمایا:

"اے میرے شفیق بھائی! اے میری ماں کے نور عین کس منہ اور کس زبان سے وہ مصائب اور سختیاں بیان کروں جو آپ (رضی اللہ عنہ) کی جدائی کے بعد ہم پر ہوئیں، اس قوم نے ہمیں رسوا کیا، ہماری تشہیر کی، ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، ہم سے سخت کلامی کی گئی، میں کن کن سختیوں کا حال بیان کروں۔"

مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اتار کر اس شخص کو بھیجے جو ان کے ساتھ آیا تھا، اور راستے میں اچھا سلوک کرتا رہا تھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہلا بھیجا:

"یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے، اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہیں دیں۔"

مگر اس شخص نے یہ زیورات واپس کر دیے، اللہ اکبر! اس حالت میں بھی فیاضی اور مروت کا یہ عالم تھا کہ اس شخص کا خالی ہاتھ جانا گوارا نہ ہوا، مؤرخین نے لکھا:

''جب یہ قافلہ خستہ و خراب حالت میں گنبدِ خضرا کے سامنے پہنچا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ کر فریاد کی:''

''اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خبر بد لے کر آئی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کربلا میں بے دردی کے ساتھ بھوکی پیاسی شہید کر دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں رسوائی اور بے سروسامانی کے عالم میں قید و بند کی مصیبتیں جھیل کر آئی ہیں۔''

اس کے بعد مدینہ منورہ میں ہر وقت عورتوں کی بھیڑ آپ رضی اللہ عنہا کے گرد جمع رہتی، اور عام اہل مدینہ کا اجتماع رہتا، یزید کے خلاف حجاز میں سخت نفرت پھیل چکی تھی، اور لوگ بے حد مشتعل ہو رہے تھے، والی مدینہ نے یزید کو حالات سے باخبر کیا تو اس نے حکم دیا:

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے کہا جائے کہ کسی دوسری جگہ جو انہیں پسند ہو تشریف لے جائیں۔''

پہلے تو حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے انکار کر دیا مگر پھر لوگوں کے سمجھانے پر مصر جانے کے لیے رضامندی ظاہر کی، اور والئی مصر کے محل دار الحراء میں قیام فرمایا، بعض کہتے ہیں کہ 62ھ میں طاعون یا قحط پھیلنے کی وجہ سے شام چلی گئی تھیں۔

اس کے بعد اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کر دی جو حادثہ حرہ کے نام سے مشہور ہے یزیدی افواج نے مدینہ پہنچ کر گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تین دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا، اس واقعہ کے بعد یزید نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کافی وظیفہ دینے کی پیشکش کی، مگر آپ رضی اللہ عنہا نے قبول کرنے سے انکار

کر دیا، کہا جاتا ہے:

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے 62ھ میں شام میں وفات پائی اور ان کا مزاز دمشق کے ایک قصبے زینبیہ میں ہے۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت زہرا رضی اللہ عنہا کی پاک زندگی جن حیرت انگیز اوصاف کا مجموعہ ہے ان کی ایک معمولی سی جھلک آپ نے گزشتہ صفحات میں دیکھ لی ہے، یہ ان کے سیرت و کردار کی وہ روشنی ہے جو ماضی کے کئی دبیز پردوں سے چھن چھن کر آ رہی ہے، اگرچہ ماضی کے گہرے دھندلکوں نے اس کی حقیقی تابانی ہم تک نہیں پہنچنے دی، اس کے باوجود حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کا نور آج بھی ہمارے قلب و ذہن کو منور کر رہا ہے، ہمارے ہاں ان لوگوں کی کمی نہیں جو رسمی باتوں پر مر مٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، اور روایات پر جانیں نچھاور کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ وہ تیار رہتے ہیں، ان پاک ہستیوں کی محبت اور عقیدت کے نشے میں سرشار رہنے والے بھی بہت ہیں جو اپنی بیٹیوں کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے پاک نام سے منسوب کر کے سمجھتے ہیں کہ عقیدت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کے بے پناہ مصائب پر آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے رواں رکھ کر ثواب حاصل کرنے والے بھی کم نہیں ہے، آیئے ایک لمحہ کے لیے ایمانداری سے غور کریں کہ ہماری ملت نے کتنی ایسی خواتین کو جنم دیا ہے جن کے تصور و تخیل نے بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی رفعتوں اور اخلاقی بلندیوں کو چھونے کی کوشش کی ہے؟ صرف زینب نام رکھ لینے اور ان کو پیش آنے والے دردناک مصائب کو قصے کہانیوں کی طرح بیان کر دینے سے ہم انہیں خراج عقیدت ادا نہیں کر سکتے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پوری حیات مبارکہ اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ

مسلمان عورت تقویٰ و طہارت کا پیکر ہوتی ہے، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی آزمائش اور بدترین مصیبت بھی انہیں جادۂ حق سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اسے یادالٰہی سے غافل کر سکتی ہے، وہ حق و صداقت کے لیے اپنے خون سے سینچے ہوئے گلستان حیات کو خاکستر ہوتا دیکھ سکتی ہے مگر باطل کے سامنے نہیں جھک سکتی، لوگ کہتے ہیں کہ عورت کمزور ہوتی ہے اور فوراً مرعوب ہو جاتی ہے، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ ہمیں بتاتی ہیں کہ عورت کمزور ہو سکتی ہے مگر مسلمان عورت عزم و ارادے کی آہنی چٹان ہوتی ہے، طوفان اس سے ٹکرا کر رخ بدل سکتے ہیں مگر اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو بے پناہ محبت تھی کیا اس کے پیش نظر وہ بھائی کو یزید کے سامنے سر اطاعت خم کرنے کا مشورہ نہ دے سکتی تھیں، جب انہیں موت سامنے دکھائی دے رہی تھی وہ اپنے بچوں کو لے کر بھائی سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ تھیں جبکہ عام عورتیں معمولی اغراض کے لیے بھائیوں سے ہمیشہ کے لیے تعلقات منقطع کر لیتی ہیں، وہ کہہ سکتی تھیں کہ بھائی آپ میرا مشورہ تسلیم نہیں کرتے اور جان بوجھ کر موت کے گڑھے کی طرف جا رہے ہیں میں اپنے بیٹوں کو موت کا لقمہ کیوں بننے دوں؟ کون نہیں جانتا کہ ماں کی مامتا اکثر و بیشتر بھائی کی محبت پر غالب آ جاتی ہے۔

ایک عورت اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ سکتی ہے مگر اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوتے دیکھنا تو کیا کچھ عرصے کے لیے چھوڑنا بھی گوارا نہیں کر سکتی، ان معاملات کو ہماری عورتیں خوب سمجھتی ہیں کہ وہ کس طرح اپنے بھائیوں کی بیویوں اور بچوں تک سے معاندانہ رویہ اختیار کر کے یہ خون کا رشتہ بھی توڑ سکتی ہیں، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے جس فقید المثال کردار کا مظاہرہ کیا ہے

وہ ایک مسلمان عورت کے لیے نسوانی روح کی حیثیت رکھتا ہے، انہیں اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کی بدولت حالات کی نزاکت کا پورا احساس تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنی صاحب شرف وفضیلت ماں کی وصیت پر لخت ہائے قلب و جگر کے پھول نچھاور کیے۔ میدانِ کربلا میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے عزیز و اقارب کو خاک وخون میں لوٹتے دیکھا، ننھے ننھے معصوم بچوں کے دلوں میں زہریلے تیر پیوست ہوتے دیکھے، پورے خاندان کو ریگ زار کربلا میں شدت پیاس سے تڑپتے دیکھا، اپنے دونوعمر بیٹوں کی المناک شہادت کا دل ہلا دینے والا نظارہ دیکھا، بھوک اور پیاس کی ناقابل بیان سختیاں سہیں، مگر کبھی شکوہ وشکایت کا ایک حرف بھی ان کے منہ سے نہ نکلا؟ کیا کبھی انہوں نے بھائی سے کہا:

''ہم سب کو کس مصیبت میں مبتلا کر دیا۔''

کیا آپ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''جائیے یزید کی بیعت کو لیجئے۔''

ایک عورت کے لیے اس سے زیادہ ڈگمگا دینے والا مرحلہ اور کون سا ہوسکتا ہے کہ اس کے سامنے پورے خاندان کی لاشیں پڑی ہیں اور ایک آخری سہارا بھی بہت جلد چھن جانے والا ہے، پورا خاندان فرات خون میں ڈوب چکا ہے، اور اب ظلم وستم کی آگ کے شعلے اس کے بے یارومددگار بھائی کی طرف لپک رہے ہیں، زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو چکی ہیں، اور اس ویران وسنسان صحرا کے اندھیرے میں صرف خون آشام تلواروں کی چمک نظر آ رہی ہے پھر یہ بھی معلوم ہے کہ چشمِ زدن میں ان تمام مصائب وآلام کا نہ صرف خاتمہ ہوسکتا ہے بلکہ دنیا کا بڑے سے بڑا اعزاز ان کے قدموں میں سجدہ ریز ہوسکتا ہے، صرف یزید کی اطاعت قبول کر لینے سے عیش وعشرت کے خزانے ان کے راستوں میں

بچھ سکتے ہیں، اور یزید ہر شہید کے ایک ایک قطرۂ خون کے لیے لاکھوں دینار بطور خوں بہا دے سکتا ہے۔ ایسے پُر آشوب اور پُر آزمائش ماحول میں صرف ایک سچی مسلمان عورت ہی ثابت قدم رہ سکتی ہے کیا دنیا کی کوئی مریم صفات بہن بھی اس صبر و استقلال، عزم و ثبات اور ایثار و قربانی کی ادنیٰ سی مثال پیش کر سکتی ہے؟ کیا تاریخ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ایک بھی ایسی عورت پیش کر سکتی ہے جس نے بہن کا اتنا بلند اور ارفع کردار ادا کیا ہو، پوری تاریخ پڑھ جائیے، بدترین دشمن بھی شہادت دیں گے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو جادہ حق سے سرمو انحراف کرنے کا اشارہ تک نہیں کیا بلکہ اپنے جان سے عزیز بھائی کو تن تنہا لڑنے اور زخموں سے چھلنی ہو کر شہید ہوتے دیکھا، سب کے ساتھ ان کا بھی سر قلم ہوتے دیکھا، ان کے جسد اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوتے دیکھا، خیموں کو جلتے اور لٹتے ہوئے دیکھا، مگر کہا تو یہی کہا:

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام، اپنے نواسے کی حالت دیکھ لیجئے۔"

ابن زیاد ایسے جابر و ظالم کے غرور و نخوت کو اپنے حیا پرور قدموں سے کچل کر رکھ دیا اور یزید کے بھرے دربار میں اس تباہ حال اور بے یار و مددگار خاتون معظّمہ رضی اللہ عنہا نے بڑی جرأت و بسالت کے ساتھ کلمہ حق بلند کیا، اسے برملا وہ سب کچھ کہا جسے ایک خود مختار اور ظالم حکمران ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا یہ صرف بھائی کی محبت تھی، بھائی کی محبت کا جذبہ فطری حد تک درست مگر جس قوت اور طاقت نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے اوج ثریا کو سرنگوں کر دیا وہ ان کی روحانی طاقت تھی، وہ خوب سمجھتی تھیں کہ ان کا بھائی کسی دنیاوی غرض کے لیے سینہ سپر نہیں ہے بلکہ وہ اللہ جل جلالہ کے دین کی حفاظت و بقا کے لیے

موت سے ٹکرا رہا ہے، ان کی تمام قربانیاں اسلام کے لیے تھیں، وہ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی لاج رکھنے کے لیے بھائی کا ساتھ دے ہی تھیں، انہیں دنیا سے کیا غرض، جاہ پرستی اور دنیا کی محبت کیسے ان کے قدموں کو متزلزل کر سکتی تھی؟ ورنہ دنیا تو اپنے حسن و جمال اور آسائشوں کے ساتھ آغوش وا کیے سامنے کھڑی تھی صرف چند قدم آگے بڑھ کر سر جھکانے کی دیر تھی، مگر وہ سر کٹ گئے، اللہ جل جلالہ کی چوکھٹ کے سوا کسی کے دربار میں جھکے نہیں، ورنہ آج مسلمان کسی سے آنکھ ملا کر بات کرنے کے قابل نہ ہوتے اور اسلام کی آبرو لٹ جاتی اور میدان کربلا حسین رضی اللہ عنہ کا نہیں ناموس اسلام کا مدفن بنتا۔

کیا ہم یہ سوچنا گوارا کریں گے کہ مصیبت زدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کی انگشتِ شہادت ہمیں کس منزل کا راستہ دکھا رہی ہے۔